

سبحان اللہ! بزرگوں نے مطلوب کی یافت کو انفس میں مقرر کیا ہے اور انفس سے باہر کو بے حاصل جانا ہے۔ ایک فرماتا ہے

پچھلے دنیا میں ہر سوئے دست باتور زیر تعلیم است آنچہ بہست
چو مل جلہ آں جمال بیرون ز تنہیت پا در دامن و سر بنیب اندر کش
تیسرا لکنا ہے ذرہ گر بس نیک در بس بد بود
گرچہ عمرے سنگ ز بند دوزخ و بد بود

صاحبِ قصص فرماتا ہے "فات کی تہل صورت متعین لا (جس پر تہل کی گئی) یہی ہوتی ہے۔" ایک اور بزرگ فرماتے ہیں۔ اہل اللہ فنا و بقا کے بعد جو کچھ بھی دیکھتے ہیں اپنے اندر دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں اپنے اندر پہچانتے ہیں اور ان کی حیرت اپنے وجود میں ہے کہ "فَإِنِّي أَنفُسُكُمْ أَفَلَا تَتَعَزَّوْنَ" (اور تمہاری اپنی جانوں میں بھی کیا تم نہیں دیکھتے)

اور اس فقیر کے نزدیک آفاق کی طرح انفس بھی لا حاصل ہے اور مطلوب کے پانے سے خالی اور بے نصیب ہے وہ غربی جو آفاق و انفس میں ہے وہ مطلوب کا استدلال ہے اور مقصود پر دلالت ہے اور مطلوب تک پہنچنا آفاق و انفس کے ماوراء سے وابستہ ہے اور سلوک و جذبہ کے ماوراء سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ سلوک سیر آفاق ہے اور جذبہ نفسی پس سلوک و جذبہ اور سیر آفاق و انفسی سب سیر الی اللہ میں داخل ہیں نہ وہ جو انہوں نے کہا ہے کہ سیر و سلوک آفاق تو سیر الی اللہ ہے اور جذبہ اور سیر انفسی سیر الی اللہ ہے۔ کیا کیا جائے ان کو ایسا ہی معلوم کرایا ہے اور مجھے اس طرح۔ اے اللہ تو پاک ہے میں تیرے بتائے ہوئے کے بغیر کسی چیز کا علم نہیں۔ میں مسکین ان کا بھونا کھانے والے کو کیا طاقت ہے کہ ان کے مذاق کے خلاف بات کہوں لیکن جب معاملہ تقلید سے گزر چکا ہے تو لازماً جو کچھ میں پاتا ہوں کہہ دیتا ہوں وہ خواہ قوم کے مخالف ہو یا موافق، ابو یوسف کو تقلید کا زیادہ گور جانے کے بعد ابو حنیفہ جو کہ ان کے استاد ہیں کی موافقت پر مجبور کرنا غلطی ہے۔ اے ہمارے رب ہم اگر بھول جائیں یا غلط کریں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

سوال ۱۔ یہ یقین کے متبادل درجات جب علم الیقین میں داخل ہیں تو تمہارے نزدیک میں الیقین کیا ہوتا؟
جواب :- میں الیقین مثلاً عبارت اس حالت سے ہے کہ جو نفس و خان کو آتش کے ساتھ ثابت ہے اور جب استدلال کرنے والا درجہ دلیل کی انتہا تک پہنچتا ہے جو کہ وہاں (دھواں) ہے تو اس کو بھی

لے اندھوں کی طرح بظن اٹھ مار جو کچھ بھی ہے وہ گودڑی کے پیچھے تیرے ساتھ ہے ۱۲۔ لے جب اس مثال کا جملہ تجھ سے ماہر نہیں ہے تو ہاں دامن میں اور گریبان میں ڈال لے ذرہ اگر بہت نیکو بہت بد ہوا گردہ اپنی عمر بھر بھی دوڑتا رہے تو اپنے اندر ہی رہے گا ۱۲۔

ایک حالت آتش سے پیدا ہو جائے گی جو کہ دھوئیں کو آتش سے ثابت ہے۔ فقیر کے نزدیک حیات میں یقین سے تعبیر ہے جو کہ علم استدلال سے اوپر ہے اور آفاق و انفس سے باہر ہے اور جب استدلال کا پردہ درمیان سے اٹھ گیا ہے جو کہ مرتبہ علم کی انتہا ہے تو لازماً علم کے کشف میں آگیا اور غیب سے شہود و حضور انجام پایا۔ جاننا چاہیے کہ شہود و حضور اور چیز ہے اور رویت و احساس اور چیز کمزور نظر والے کو فہم آفتاب کے چمکنے کے وقت آفتاب کا شہود و حضور حاصل ہے اور اس کو رویت و احساس نہیں ہے۔

تنبیہ :- دھوئیں سے متحقق ہونا اس تحقیق کے مطابق جو ذکر ہو چکی ہے دوسرے رکھتا ہے اور وہ علم یقین میں یقین کو شامل ہیں جب تک دھوئیں کے ساتھ تحقیق میں اس کے تمام نقاط کو طے نہیں کر لیا اور اس کے آخری نقطہ تک نہیں پہنچ جاتا، وہ علم یقین ہے کیونکہ ہر نقطہ جہرہ گیا ہے وہ اس کا حجاب ہے جو کہ استدلال کو مستلزم ہے اور جب تمام نقاط سے متصف ہوا اور اس کے نقطہ آخر تک پہنچ گیا، تو استدلال سے باہر آگیا کہ تمام حجاب اٹھ گئے اور انفس و خان کی طرح اس کو عین یقین ثابت ہوا اس کو سمجھ لے۔

اور حق یقین سے کیا نکلا جائے کہ اس کا کمال تحقیق اخروی نشاۃ سے وابستہ ہے اور اگر اس دولت کا کچھ حصہ دنیا میں حاصل ہے تو وہ اخلاقی خواص سے مخصوص ہے کہ سیر انفسی جو حق یقین سے مشابہت رکھتی ہے ان کے نزدیک علم ایضاً میں داخل ہو چکی ہے اور ان کے انفس نے آفاق کا حکم حاصل کیا ہے۔ اور ان کا علم حضوری جو انفس کے ساتھ تمام حصول ہو چکا ہے اور عین یقین ان کے حق میں ماوراء میں حاصل ہوا ہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

خاتمہ حسنہ :- حسن و جمال محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بیان میں جس سے جانوں کے پروردگار کی محبت کا تعلق ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جمال کے ساتھ رب العالمین کے محبوب ہوئے ہیں۔ حضرت یوسف اگرچہ اس صحبت کی وجہ سے جردہ رکھتے تھے حضرت یعقوب کے محبوب ہوئے ہیں علی نبینا وعلیہا الصلوٰۃ والسلام، لیکن ہمارے پیغمبر جو کہ خاتم المرسلین ہیں اس ملاحضت کی وجہ سے جو وہ رکھتے ہیں خالق زمین و آسمان کے محبوب ہیں علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اور زمین و زمان کو ان کی غلیظ پیدا کیا ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے۔

جاننا چاہیے کہ خلق محمدی دوسرے افراد انسانی کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ عالم کے افراد میں سے کسی ملے حضرت ام بانہ قدس سرہا اس عبارت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور ہونے کے عقیدے کی تصریح فرمادی ہے اور یہ عقیدہ میں بیان کر دیا ہے کہ جو کہ حضور کی ذات نور جس لئے آپ کے جسم الہی کا مدیہ نہیں تھا۔ آپ کا سر بیان سے اہل سنت کے عقائد فقہ کی تائید و تصدیق ہو رہی ہے۔ اس سند میں آپ کے مسلک کی مزید تفصیل یہ کہ تائید مسلک ام بانہ ہیں دیکھیں۔ مترجم فقیر

فرد کی پیدائش سے بھی مناسب نہیں رکھتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خَلَقْتُ مِنْ نُورِ اللَّهِ (میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں) اور دوسرے کو یہ دولت حاصل نہیں ہوئی ہے۔

اس باریکہ مکتبہ کا بیان یہ ہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی آٹھ صفات اگرچہ واجب کے دائرہ میں داخل ہیں لیکن اس احتیاج کی وجہ سے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے امکان کی بُرائی میں ثابت ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی حقیقی قدیمی صفات میں امکان کی گنجائش ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی صفات اضافیہ میں تو امکان کا ثبوت بطریق اولیٰ ہوگا اور ان کا قدیمی ذہنان کے امکان پر ہمت بڑی دلیل ہے اور کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اس امکان سے ہوئی ہے جو صفات اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے نہ وہ امکان جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے اور جتنا بھی وقتِ قطر سے ممکنات عالم کے معینہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اس جگہ مشہود نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امکان اور ان کی پیدائش کا منشا صفات اضافیہ کا وجود اور ان کا امکان محسوس ہوتا ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود عالم ممکنات میں نہ ہوگا بلکہ اس عالم سے اوپر ہوگا تو لازماً ان کا سایہ نہ ہوگا اور پھر یہ بھی ہے کہ عالم شہادت میں کسی شخص کا سایہ کسی شخص سے زیادہ لطیف ہے اور جب آپ کے زیادہ لطیف کوئی چیز عالم میں نہ ہوگی تو ان کے سایہ کی کیا صورت ہو سکتی ہے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات۔

مسن بنور سے سن بصفت۔ علم صفات حقیقیہ سے ہے اور وجود خارجی کے دائرہ میں داخل ہے اور جب اس صفت کو کوئی نسبت لاحق ہوتی ہے اور اس سے وہ تقسیم ہو جاتی ہے۔ مثلاً علم اجمالی یا علم تفصیلی تو اس کی یہ اقسام صفات اضافیہ سے ہوں گی اور ثبوت نفس الامری کے دائرہ میں داخل ہوں گی جو کہ صفات اضافیہ کا مقام ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور مشہود ہوتا ہے کہ علم تہیل جو کہ صفات اضافیہ سے ہو گیا ہے وہ ایک ایسا نور ہے جو عنصری پیدائش میں جو اصلا ب سے ارجاع مشککہ میں گرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق انسانی صورت میں جو کہ بہترین شکل و صورت ہے ظاہر ہوا ہے اور اس کا نام محمد اور احمد ہوا۔

لے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صرف بڑے بھائی کا وجود دینے والے اور آپ کے لئے اپنی مشن بشر فیکٹس لگائے والے حضرت امام ربانی کی اس مہارت کا بغور اور نظر انصاف سے مطالعہ فرمائیں حضرت امام ربانی قدس سرہ منعم علیہ ہر گز ان سے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو ان بزرگوں کے عقائد و اعمال کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین و تاکید کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں اہل اور بدعقیدہ کی سچائی۔ آمین۔ اس عقیدہ کی مزید تفصیل موصاحت کے لئے ناچیف "مسک" نامی کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ مترجم علی غز

اچھی طرح سننا چاہیے کہ اس اجمال کی قید نے اگرچہ علم مطلق کو تنقید کر دیا ہے اور حقیقت سے اضافت میں لے آئی ہے لیکن اس نے علم میں کوئی زیادتی پیدا نہیں کی ہے اور کسی چیز نے اس کو تنقید نہیں کیا ہے کیونکہ اجمال علم نفس علم سے عبارت ہے نہ کہ کوئی امر نائذ جو علم سے مابوہ غلات تفصیل علم کے کہ وہ بے شمار جزئیات کا تقاضا کرتی ہے تاکہ تفصیل متصور ہو سکے عجیب قسم کی قید ہے جو اطلاق کی منظر ہے اور کتنا اچھا عقیدہ ہے جو نفس مطلق ہے اس قسم کی ناذکی مطلق علم میں جو اللہ کی ذات سے غروب ہے ملاحظہ کرنا چاہیے کہ نفس عالم لو نفس معلوم ہو سکتا ہے جیسا کہ علم حضوری میں ثابت ہے ہر غلات دوسری صفات کے کہ وہ یہ قابلیت نہیں رکھتیں۔ نہیں کہا جاسکتا کہ قدرت عین قادر اور عین مقدر اور ارادہ عین مرید اور عین مُراد ہے۔ پس علم کو ذات عالم نے اتحاد ہے اور ایسی نیستی ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے اس جگہ احمد کا بعد سے قرب دریافت کرنا چاہیے کہ وہ واسطہ جو ان کے درمیان ہے وہ صفت علم ہے وہ ایک ایسا امر ہے جو مطلوب سے اتحاد رکھتا ہے پس حجاب کہ اس جگہ کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ علم کا ایک ذاتی حسن ہے کہ دوسری صفات کے لئے یہ حسن ثابت نہیں ہے لہذا اس فقیر کے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کو محبوب ترین صفت علم کی صفت ہے اور چونکہ اس کا حسن بے چوٹی کی آمیزش رکھتا ہے لہذا حس اس کے احسا کے قاصر ہے اس حسن کا پورا ادراک آخرت کی پیدائش سے وابستہ ہے جو کہ رویت کا مقام ہے جب خدا تعالیٰ کو دیکھیں گے محمد کے جمال کو پالیں گے۔

اگرچہ اس دنیا میں دو تہائی حسن حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے مسلم ہے اور باقی تیسرا حصہ تمام میں تقسیم ہوا ہے لیکن عالم آخرت میں حسن صرف حسن محمدی ہے اور جمال صرف جمال محمدی علیہ الصلوٰۃ و التسلیمات۔ کہ وہ خدا تعالیٰ کے محبوب ہیں دوسرے کا حسن ان کے حسن سے کس طرح مشارکت کر سکتا ہے کہ ان کا حسن اتحادیت کے واسطہ سے عین مطلب کا حسن ہے اور دوسروں کو چونکہ یہ اتحاد نہیں ہے وہ حسن بھی نہیں ہے پس محمدی پیدائش علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام باوجود حوادث ہونے کے اس کا اعتقاد اللہ تعالیٰ کے قدم سے ہے اور ان کا امکان بھی اللہ تعالیٰ کی ذات تک منتقل ہوا اور ان کا حسن ذات الٰہی کا حسن ہوا کہ اس میں غیر حسن کی آمیزش نہیں ہے جب اس طرح ہوا تو لازماً کا محض جن سے محبت متعلق ہے جیل مطلق ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ٹھہرے فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى جَبِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ (اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے) مسلم و ترمذی شریفیت برویت ابن مسعودؓ سوال :- آیت کریمہ يُحِبُّكُمْ (وہ ان کو دوست رکھتا ہے) اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اوروں سے بھی تعلق رکھتی ہے اور دوسرے بھی اللہ تعالیٰ

کے محبوب ہوتے ہیں تو آپ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے جو دوسروں میں موجود نہیں ہے ؟

جواب :۔ محبت دو قسم ہے ایک وہ محبت ہے جو محبت کرنے والے کی ذات سے تعلق رکھتی ہے اور ایک وہ محبت ہے جو اس کی ذات کے غیر سے تعلق رکھتی ہے پہلی قسم کی محبت ذاتی ہے ، اور محبت کی اعلیٰ قسم ہے کہ کوئی آدمی بھی کسی چیز کو بھی اس طرح محبت نہیں رکھتا جیسا کہ اپنے آپ کو اور محبت کی تیسیم زیادہ مضبوط اور مستحکم ہے جو کسی سبب کے پیش آنے سے زوال پذیر نہیں ہوتی اور اس کا تعلق محبت محبوب خاص ہے جو محبت کا شائبہ نہیں رکھتی برخلاف محبت کی دوسری قسم کے کہ وہ عارضی اور زوال پذیر ہے اور اس کا تعلق بھی ایک حیثیت سے محبوب ہے لیکن متعدد وجوہ سے محبت بھی رکھتا ہے اور چونکہ حضرت خاتم الرسل علیہ وسلم کا حسن و جمال اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال پر شبہ رکھتا ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا تو لازماً پہلی قسم کی محبت جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اس محبت کے تعلق کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی محبوب خاص ہوں گے اور چونکہ دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہے اور جس ذات سے محبت مخصوص اخصہ رکھتے ہیں لہذا دوسری قسم کی محبت ان سے تعلق رکھتی ہے اور ایک وجہ سے ان کو محبوب باقی ہے اور محبوب مطلق صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو کہ محبت کی ذات کی طرح ہمیشہ محبوب ہیں ۔

محمّدؐ اس ہوتا ہے کہ جس قسم کا غلبہ محبت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ہے اور وہ اس محبت کی وجہ سے محبوب کے سردار اور رئیس ہوئے ہیں اسی طرح کی محبت مفرط اللہ تعالیٰ کو حضرت خاتم الرسل علیہ وسلم الصلوٰۃ والتیمات سے ہے ۔ جتنی بھی یہ فقیر محبت کے ان دو دریاؤں میں غوطی کرتا ہے کہ ان دو محبتوں میں ضعف و قوت کی بنا پر کوئی فرق پیدا ہو کہ خدا تعالیٰ کی محبت کو مخلوق کی محبت سے زیادہ مضبوط و شدید پائے بلکہ آیت کریمہ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُونَ (جنہر اللہ تعالیٰ کا لشکر وہی غالب آئے والے ہیں) اتنا ہی کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا گویا ان دو محبتوں کو انصاف کے ترازو میں برابر تو رہا ہے اور بال کے سر کے برابر بھی کمی بیشی کا فرق تجویز نہیں کیا ہے ۔

سوال :۔ صوفیاء علیہ نے عالم کے تمام افراد کو اسماء الہی کے مظاہر و مجالی سمجھا دیے اور حقائق اشیاء کو وہی اسماء پایا ہے اور اشیاء کو ان کا ظلال سمجھا ہے پس تمام ظہور اسماء الہی ہو گا اور وہ تخصیص جو بعض اسماء کے تصور کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقت سے کی ہے جیسا کہ ذکر ہوا اس کی کب وجہ ہے ؟

جواب : صوفیاء کے نزدیک حقائق اشیاء اعیان ثابتہ ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کی صورتِ علیہ
ہیں نہ کہ اپنی ذات کے ساتھ اسماء الہی اور اس عالم کو انہوں نے صورتِ علیہ کا ظہور کہا ہے اگرچہ مجازی طور
پر اس کو اسماء کا ظہور بھی کہتے ہیں بلکہ کسی چیز کی علمی صورت بھی ان کے نزدیک ایک شے کا عین ہوتی ہے نہ
کہ اس شے کی مثال اور نظیر اور وہ جو اس فقیر نے آلِ سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے متعلق کہا ہے
وہ اسم الہی کی ذات کا ظہور ہے نہ کہ اس اسم کی صورت علمی کا ظہور کسی چیز کی صورتِ علیہ اور اس کے نفس
شے کے درمیان بٹا فرق ہے۔

آتش کو اگر صورتِ علیہ میں تصور کریں بھی تو وہ روشنی اور چمک کہاں ہے کہ آتش کا تمام وجود کمال
جمال و کمال وہی ہے اور صورتِ علمی میں وہ آتش کی مثال و نظیر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے فلاسفہ اس کو پسند
کریں یا نہ بلکہ عین آتش کہیں گے لیکن ہمارا صریح کشف عینیت کی تکذیب کرنے والا ہے اور آتش کی
صورتِ علیہ سوائے آتش کی صورت کے نہیں ہے جو کہ خارج میں موجود ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ وہ جو اسماء
کی صورتِ علیہ کا ظہور ہے اس کا امکان وجود عالم کے مکان کے قبیل سے ہے اور عالم کا وجود کہ جس نے وہم کے
مرتبہ میں صنعتِ خداوندی سے ثبات و تقریر پیدا کیا ہے اور وہ نفس اسم الہی کا ظہور ہے جیسا کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش میں گذر چکا ہے اس کا امکان صفاتِ اضافی کے مکان کے قبیل سے ہے اور
ان کا وجود بھی ان صفات کے وجود کی طرح مرتبہ نفسِ امر میں مقرر ہے اور اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
بغیر کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو کہ نفس اسم الہی کا ظہور ہو مگر قرآن مجید کہ وہ بھی ظہور نفس اسم الہی ہے
جیسا کہ اس کا کچھ بیان اوپر گذر چکا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ظہورِ قرآنی کا منشا صفاتِ حقیقیہ سے ہے اور ظہورِ محمدی کا منشا صفاتِ اضافیہ سے
ہے تو لازماً اس کو قدیم اور غیر مخلوق کہا ہے اور اس کو حادث اور مخلوق اور کعبہ ربانی کا مطالعہ ان دو ظہور
اسمی سے بھی عجیب تر ہے کہ اس جگہ معنی تنزیہی کا ظہور ہے صورت و اشکال کے لباس کے بغیر کیونکہ کعبہ جو کہ
خلقت کا مسبود الیہ ہے وہ تجھ اور اینٹ سے عبارت نہیں ہے اور اسی طرح دیواریں اور چھت بھی کعبہ
نہیں ہے کیونکہ اگر یہ نہ بھی ہوں تو بھی کعبہ کعبہ ہے اور مسبود الیہ ہے پس اس جگہ ظہور تو ہے لیکن کوئی صورت و
شکل نہیں ہے اور یہ عجیب چیزوں میں سے بھی عجیب تر چیز ہے۔

سنو سنو! اگرچہ اس دلتِ خاتمہ محمدی میں کسی دوسرے کو شکرت نہیں ہے لیکن اس قدر معلوم
ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دولتِ خاصہ سے ان کی تخلیق و تکمیل کے بعد کچھ حصہ باقی بچا تھا کیونکہ
شراف کی حیثیت کی دولت کے دسترخوان پر کچھ نہ کچھ بچ رہا لازمی امر ہے جو کہ پس ماندہ کھانے والے غلاموں

کا حصہ ہوتا ہے اس بقیہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے کسی ایک دولت مند پس خرودہ کھانے والے کو عطا فرمایا ہے اور اس کو اس کے خیر کا سرمایہ بنا کر اس کی مٹی کو خیر کیا ہے اور ان کی وراثت و تبعیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت خاجہ کا شریک بنایا ہے۔
 ہا کر یاں کار ہا دشوار نیست

اور یہ بقیہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی مٹی کے بقیہ کی طرح ہے جو کہ کھجور کے درخت کی پیدائش کے نصیب ہوا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اپنی چھوٹی کھجور کی عزت کیا کرو کہ وہ آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا ہوئی ہے" ہاں سے

وَالَّذِينَ مِنْ كَاتِبِ الْكَوَامِ لِنَصِيبِ (شرفاء کے پالہ میں سے زین کو بھی حصہ ملتا ہے)
 سوال :- حضرت شیخ محمد الدین ابن عربی اور اس کے تبعین نے حقیقت محمدی کو علم جملی سے تعبیر کیا ہے اور اس کو تعین اول کہا ہے اور تجلی ذات مانا ہے اور اس مرتبہ کے اوپر دو تعین کا مرتبہ تصور کیا ہے جو کہ حضرت ذات محض کا مرتبہ ہے اور تم نے اس کو علم کی قسم سے کہا ہے اور صفات اضافیہ میں داخل کیا ہے جو کہ صفات حقیقیہ سے پیچھے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب :- شیخ محمد الدین فارغ میں سوائے ذات امدیتِ خروہ کے اور کسی کو موجود نہیں جانتے اور صفات کے وجود کو اگرچہ وہ حقیقی ہوں سوائے علم کے ثابت نہیں کرتے تو لازماً اُن کے نزدیک تعین اول علم جملی ہوتا ہے اور صفات کا ثبوت اس کے بعد صورت پیدا کرتا ہے کہ ان کا ثبوت علم کے ثبوت کی شاخ ہے کہ سوائے علم کے وہ اُن کا ثبوت نہیں جانتے پس علم سب سے اسبق ہوگا اور تمام کمالات کا جامع ہوگا اور اس فقیر کے نزدیک جو کچھ مکتوف ہوا ہے یہ ہے کہ صفات حقیقیہ ثنائیہ ذات واجبہ جل شانہ کی طرح خلق میں موجود ہیں اگر کچھ فرق ہے تو مرکز اور مد مرکز کا فرق ہے جیسا کہ پہلے گزرا اور یہ قول ملکہ اہل سنت و جماعت سے کہ اللہ تعالیٰ سببہم کی رائے کے موافق ہے کیونکہ انہوں نے صفات کے وجود کو ذاتِ خداوندی کے وجود پر نامہ فرمایا ہے اور اس صورت میں علم جملی کو تعین اول کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ تعین کے اطلاق کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

ان تمام صفات میں سے اسبق صفت حیوہ ہے کیونکہ صفت علم اس کے تابع ہے علم کو اس سبقت دینے کی کوئی صورت نہیں ہے خصوصاً اس صورت میں کہ علم کو مقتیدہ کر دیا جائے کہ وہ علم سے نیچے ہے اور اضافات میں داخل ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔ ہاں اگر علم جملی کو علم کا تعین اول کہیں تو اس کی گنجائش ہے کہ اس کا

لے کریم کو گن کے لئے کوئی کام شکل نہیں ۱۲

تعیین ثانی علم تفصیلی ہے۔

سوال :- شیخ محی الدین نے جو علم جمعی کو حقیقت محمدی کہا ہے اور اس علم غیری پیدا نش کو اس کا ظہور سمجھا ہے تو اس کی مراد ظہور نفس اسم ہے جیسا کہ تم لے کہا ہے یا وہ اس اسم کی صورت کا ظہور ہے جیسا کہ باقی تمام ممکنات میں ہے؟

جواب :- صورت اسم ہے کیونکہ تعین اول ان کے نزدیک تعین علمی ہے کیونکہ انہوں نے پہلے دو تعین کو علمی کہا ہے اور پچھلے تین تعین کو تعین خارجی فرمایا ہے اور تعین علمی صورت شان علم ہے کہ خارج میں اس کو عین ذات کہا ہے اور علم میں اس کی صورت کو اشاعت کیا ہے اور وہ صورت علمی جو کہ حقیقت محمدی ہے اس نے علم غیری پیدا نش میں بصورت انسانی محمدی ظہور کیا ہے۔ مختصر یہ کہ شیخ کے نزدیک جس جگہ بھی ظہور ہے وہ صورت علمیہ کا ظہور ہے اگرچہ صفات واجبہ ہوں کیونکہ ان کے نزدیک صفات کو بھی علم کے سزا کوئی ثبوت نہیں ہے اور خارج میں ذات محض کے علاوہ اور کوئی چیز اس کے نزدیک موجود نہیں ہے۔

سوال :- اس مرتبہ میں علم اور عالم اور معلوم کا اتحاد ہے کہ اس کا حاصل علم حضوری ہے پس صورت اسم کی وہاں کیا بنائش ہو سکتی ہے کیونکہ صورت کا حصول علم حصول میں ہے اور علم حضوری میں حاضر نفس معلوم ہے نہ کہ صورت معلوم۔

جواب :- وہ مرتبہ اللہ تعالیٰ کی ذات محض کا مرتبہ نہیں ہے اسی لئے اس کو تنزل اور تعین کہا ہے پس وہ خارج میں موجود نہ ہوگا اور جب خارج میں موجود نہ ہوگا تو ثبوت علمی سے چارہ نہ ہوگا اسی لئے اس کو تعین علمی کہا ہے اور ثبوت علمی کو صورت معلوم سے چارہ نہ ہوگا۔ اس بیان سے لازم آیا کہ علم حضوری میں بھی عزت معلوم باوجود حضور نفس معلوم کے ثابت ہے کیونکہ حاضر نفس معلوم خاص نہیں ہے بلکہ اس میں اعتبار نے راہ ہائی ہے کہ اس کو نفس سے صورت میں لایا ہے ہر آدمی کا فہم اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا اور جب تک ذات خاص جلی شانہ سے بے چرنی و ضرر سے حاصل نہ ہو اس دقیقہ کو نہیں پاسکتا سبحان اللہ! مجھ حقیر عاجز۔ دُور پڑے ہوئے کو کیا طاقت ہے کہ حضرت خاتم الرسل علیہ السلام والصلوات کی پشت سے ہزار سال بعد کا براہیہ اولوالعزم کے اہلکار و معارف کی بات زبان پر لاؤں اور معاد کے دامن میں آکر مہدائے کمالات کے دقائق بیان کروں۔

وٹھے چوں شاہ مرا برداشت از خاک

مزدگر بگذازم سدر ز افلاک

لے لیکن جب بادشاہ نے مجھ کو خاک سے اٹھایا تو مجھے حق پہنچا ہے کہ میں اپنا سر آسمان سے بھی بلند کروں۔

من آں خاک کہ امیرِ نوبہاری کند از لطف بر من قطره باری
اگر برود از تن صدر ز بانم ! چوں سبز و شکر لطفش کے توام

تمام تشریفیں اس اندکوب میں جس نے ہمیں اس کی راہنمائی کی اور اگر وہ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم کبھی راہ دہا سکتے یقیناً ہمارے رب کے رسول حق سے کہ آئے علیہم التسلیمات والصلوات -

دل میں تھا کہ صباحت اور ملاحت کا کچھ حصہ جو کہ حدیث نبوی میں آیا ہے کہ میرے بھائی یوسف علیہ السلام زیادہ بیعت تھے اور میں (صلی اللہ علیہ وسلم) زیادہ بیعت ہوؤں لکھوں اور اس باب میں رمز و اشارہ سے کام لوں لیکن پھر دیکھا کہ رمز و اشارہ مقصود کے ادا کرنے میں قاصر ہے اور سننے والے اس کو سمجھنے سے عاجز ہیں قرآن مجید کے تمام حروف مقطعات حقائق احوال اور وقائع اسرار کے لئے رمز اور اشارے ہیں جو کہ محنت اور مجتہد کے درسیان ثابت ہیں لیکن کون ہے جو ان کو معلوم کر سکے۔ علمائے راغبین جو حبیب رب العالمین کے خادموں اور غلاموں کے حکم میں داخل ہیں اور خادموں کو جائز ہے کہ مخدوم کے بعض اسرار پر ان کو اطلاع ہو بلکہ مخدوم کی تبعیت میں غلام کے لئے بھی جائز ہے کہ اس کے ساتھ بھی معاملت درسیان میں لائے جاتیں اور مجبوراً کھانے والے کی طرح وہ مخدوم کی دولتِ خاصہ میں شریک ہو لیکن اگر اس راز سے کچھ حصہ بھی ظاہر کرے گا تو خیانت کا رواج اور اپنے سر کو برباد کرے گا۔ اور جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے قُطِعَ الْبَلْعُومُ (گلا کا ناہلنے) فرمایا تھا اس کے حق میں صادق آئے گا۔ يَصْنِقُ صَدْرِي وَلَا يَبْطُلِي رَسَائِي (میرے سینہ تنگ ہوتا ہے اور میری زبان نہیں ہلکتی) میرا مرید ہے۔

اے ہمارے رب ہمارے گناہوں اور ہماری زیادتیوں سے درگزر فرما اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور ہمیں کافروں کی قدم پر مدد سے، اور سلام ہو تم پر اور ان سب لوگوں پر جو ہدایت کی پیروی کریں اور مصطفیٰ کی پیروی کو لازم پکڑیں علیہ و آلہ و اصحابہ ابراۃ العتقی۔

مکتوب نمبر ۱۰۱

شیخ عبداللہ کی طرف صادر فرمایا

(غلام کے مذاق کے مطابق قرآن مجید کی آیات کی تفسیر و تاویل کرنے سے مکلف کے بیان میں)

میں نہیں وہ خاک ہوں کہ نوبہاری کا دل لطف سے مجھ پر قطره باری کرتا ہے بلکہ اگر میرے جسم میں سبز باغیں ہی آگئیں تو سبز کی طرح میں اس کے لطف کا شکر یہ کیجے ادا کر سکتا ہوں۔ ۱۲

کتاب تبصیر الرحمن جو کہ آپ نے بھیجی تھی اس کے بعض مقامات دیکھ کر واپس کر رہا ہوں۔ میرے مکتبہ اس کتاب کا مصنف فلاسفہ کے مذہب سے بہت لگاؤ رکھتا ہے۔ قریب ہے کہ حکماء کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے برابر کر دے۔ سورۃ ہود کی ایک آیت نظر سے گزری کہ اس کے بیان کو حکماء کے طرز پر جو کہ انبیاء علیہم السلام کے طریقے کے خلاف ہیں بیان کیا ہے اور انبیاء و حکماء کے قول کو برابر کر دیا ہے اور اس آیت کریمہ کے بیان میں کہا ہے اُولَٰئِكَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ - باتفاق الانبیاء و الحكماء۔ اِنَّ الشَّارَّ الْحَسٰی وَالْعَقْلٰی الْخَیْرِ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں باتفاق انبیاء و حکماء راگ کے سوا اور کچھ نہیں ہے وہ آگ حسی ہو یا عقلی۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجماع کے باوجود حکماء کا اتفاق کیا گنجائش رکھتا ہے اور مذاہب اخروی میں ان کے قول کا کیا اعتبار ہے خصوصاً جبکہ وہ قول انبیاء علیہم السلام کے قول کے مخالف ہو۔ فلاسفہ جو مذاہب عقلی کا اثبات کرتے ہیں ان کا مقصد حسی مذاہب سے انکار ہے جس کے اثبات چوتھام انبیاء علیہم السلام کا اجماع واقع ہوا ہے۔

اور ایک اور مقام پر قرآن مجید کی آیات کو حکماء کے مذاق کے موافق بیان کرتا ہے گریہ وہ اہل مذاہب کے خلاف ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ مفنی نقصان بلکہ بل ضرر سے خالی نہیں ہے اس معنی کا اظہار لازم ہوتا ہے جو کچھ کلمات لکھ کر آپ کو تکلیف دی ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۱۰۲

جناب میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

(مجاہدات کی ترغیب اور کیسرفی اور طالبان حق کی تربیت کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اَصْطَفٰی۔ اس علاقہ کے فقراء کے حالات قابل تعریف ہیں اور ہر حال میں عیشۃ اللہ سبھاؤ و قتلے ہی کی تعریف ہے۔ ایک مدت گذر چکی ہے کہ آپ نے اپنے حالات کی اطلاع نہیں دی اُمید ہے کہ آپ نے اب وہ ورق الٹ دیا ہوگا اور کاہلی چھوڑ کر عمل کی طرف آگئے ہوں گے اور فراغت سے مجاہدہ کی طرف توجہ کی ہوگی۔ یہ کاشت کرنے کا وقت ہے کھانے اور سونے کا وقت نہیں ہے ادھی رات سونے کے لئے تیار رکھیں اور باقی ادھی رات اطاعت و عبادت کے لئے اگر اتنی بہت ذکر کریں تو تیسرا حصہ رات جو کہ نصف سے لے کر چھ حصہ تک ہے لازم کریں اور کوشش کریں کہ اس دولت کی معیشتی

میں کوئی فتور واقع نہ ہو اور خلقت کے ساتھ صرف اسی قدر غلاما رکھیں کہ ان کے حقوق پورے ہو سکیں۔ اور ضرورت اپنے اندازے کے مطابق مقرر کی جاتی ہے۔ خلقت کے ساتھ فراخی و کشادگی ضرورت سے زیادہ فضول ہے اور نفع کام میں داخل ہے اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اس پر بہت بڑا نقصان متفرق ہوتا ہے اور شریعت و طریقت کے مصلحتات میں داخل ہے۔

وہ شیخ جو اپنے مریدوں سے انبساط رکھتا ہے تو لازمی طور پر وہ مریدوں کو اراحت سے روکتا ہے اور ان کی طلب میں فتور لاتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اس چیز کی بڑی کو اچھی طرح معلوم کر لیں اور طالبین کے ساتھ اس طرح کا سلوک کریں کہ ان کی الفت و انس کا سبب ہونے کہ ان کی نامشتا سالی اور نفرت کا باعث۔ خلقت سے علیحدگی ضروری ہے کہ حاجت کے اندازے کے بغیر ان سے آشنائی رکھنا تم قاتل ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ بات سانی سے میسر ہے معائب میں مبتلا لوگ کیا کریں جو ہمیشہ ارباب تفرقہ کے ساتھ رہتے ہیں اس نعمت کا قدر جانو اور اس کے مطابق عمل کرو اور طالبین کے حالات سے اچھی طرح خبردار رہو اور ظاہر و باطن میں ان کی تربیت کی طرف متوجہ رہو زیادہ کیا لکھوں۔

مکتوب نمبر ۱۰۳

شیخ حمید اجیری کی طرف صادر فرمایا

(مکمل تکمیل کے حصول کی ترغیب کے بیان میں)

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى۔ میرے عزیز بھائی شیخ حمید کا گرامی نام پہنچا۔ بہت خوشی ہوئی کتنی بڑی نعمت ہے کہ پرفتن زمانہ میں ایک آدمی کی صحبت میں ایک جماعت کو جناب قدس خداوندی جل شانہ سے رغبت پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے ان کے دل سرور ہو جائیں اور پھر اس کے باوجود وہ بھائی اس دولت سے مضور نہ ہوں، اور اپنے کام سے فارغ نہ ہو کہ مثل مشہور ہے ”مہنوز دہلی دوست“ معلوم نہیں کہ سر میں سے کوئی ایک سرا بنام پائے اور وہ احوال جو طالبوں کو ابتدا میں پیش آتے ہیں اور ذوق اور لذت بخشتے ہیں اس طرح ہیں کہ بچپن کو الفت اور جا کا سبق سکھاتے ہیں کام یہ ہے حرف تہی سے بڑھ کر مولویت تک پہنچیں اور اذواق اور لذتوں سے بڑھ کر دلالت خاصہ کے درجہ میں داخل ہوں۔

مہنوز آیدان استغفار بلند است ترا فکر سیدک ناپسند است

چاہیے کہ اپنے اوقات کو آباد رکھیں اور شریعت اور طریقت سے ظاہر و باطن میں آراستہ ہوں۔ چلنے کو مکمل کرنا اپنے کمال کی شاخ ہے جو کہ ولایت خاصہ کا درجہ ہے لیکن جب آپ کی محبت میں ظاہر میں بھلائی پیدا ہو اور احوال و مواجید ظاہر ہونے لگیں اگرچہ فنا و بقا کی حد تک نہ پہنچیں تو یہ بھی نعمت ہے اور اس وقت میں کبریت احمد (سرخ گندھک) کا حکم رکھنا ہے اتنا کام ہی کرتے جہاں لیکن استغفار و توجہات کے بند جس کو بھی طریقت کی تعلیم دیں مناسب ہے بلکہ لازم ہے اور اس عمل سے ترسان و لرزاں رہیں ایسا نہ ہو کہ اس راہ سے شیطان آپ پر غلبہ پا جائے اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے شر سے محفوظ رکھے۔ جتنی تعداد میں نے آپ سے کہی تھی اگر وہ پوری ہو چکی ہو تو اب اس سے کوئی کر دیں اور اس کے بعد اطلاع دیں تاکہ مناسب حال آپ کو مطلع کیا جاسکے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

وہ دوست جو آپ سے تعلق رکھتے ہیں ان کو میرا سلام کہیں۔ سید یحییٰ نے جو گرائی مار رکھا تھا وہ بھی پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے ایسے وقت میں کہ قرب ہیامت کمال درجہ کو پہنچ چکا ہے اور ”قیامت جبرے لوگوں پر قائم ہوگی“ حدیث میں آیا ہے کئی آدمیوں کے دل خدا تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف کھینچے چلے آتے ہیں اور اس درگاہ و اقدس کے والد و شہید ہیں۔ حق سبحانہ و ستوں سے غائبانہ دعا کی توقع ہے اور فاتحہ بالخیبر کی دعا چاہتا ہوں۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پلدا کر دے اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب نمبر ۱۰۴

حضرت ذوی البرکات محمد و مراد خان گرامی خرابہ محمد سعید و خواجہ محمد مصرم کی طرف صادر فرمایا

(ان حضرات کو بعض مقامات عالیہ کے حصول کی بشارت کے بیان میں)

الحمد لله و سلام علی عباده الذین اصطفیٰ۔ فرزند ان گرامی ایک مدت گزر چکی ہے کہ آپ نے اپنے ظاہر ہی اور باطنی احوال کے متعلق نہیں لکھا ہے۔ شائد عبدالحق کے ایام دراز ہونے کی وجہ سے ہم دور افتادہ لوگوں کے حال سے نسیان غاری ہو چکا ہو گا ہم بھی ایک اہم الراحمین ملک رکھتے ہیں آیت کریمہ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ (کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے) ہم نامزد مغربیوں کو تسلی دینے والی ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ باوجود تھوڑی سی بے پروائی کے دل ہمیشہ ہمارے احوال کی طرف متوجہ رہتا ہے اور آپ کے کمال کا خواہشمند ہے۔

کل صبح کی فائز کے بعد خاموشی کی مجلس رکھتا تھا کہ ظاہر ہوا کہ وہ لباس جو پہننے ہوئے تھا مجھ سے الگ ہو گیا ہے اور ایک دوسرا لباس میری طرف متوجہ ہے جو کہ اس لباس کی جگہ بیٹھ گیا ہے میرے دل میں خیال آیا کہ یہ اتارنے والا لباس معلوم نہیں کس کو دیں یا نہ دیں اور آرزو یہ ہوتی کہ وہ لباس میرے فرزند ارشد محمد معصوم کو دے دیں۔ ایک لمحہ کے بعد دیکھا کہ وہ میرے لڑکے کو دے دیا ہے اور وہ ٹوپی خلعت اس کو پہنا دی گئی ہے اور یہ اتاری جانے والی خلعت معاملہ قیومت سے کنایہ ہے جو کہ تربیت اور تکمیل سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے اس عرصہ مجتہد کے تعلق کا سبب ہوا اور جب اس نئی خلعت کا سامان انجام کو پہنچے گا تو اتارنے کا مستحق ہو جائے گا اور امید ہے کہ کمال کرم سے وہ میرے دوسرے عزیز فرزند محمد سعید کو عطا فرمائیں گے یہ فقیر ہمیشہ عاجزی سے یہ سوال کرتا ہے اور قبولیت کا اثر بھی سمجھتا ہے اور اپنے لڑکے (محمد سعید) کو اس کا مستحق بھی سمجھتا ہے۔

باکرمی حال کار یا دشوار نیست

اگر استعداد ہے تو وہ اسی (اللہ تعالیٰ) کی داد ہے۔
نیا و دم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہر چیز من چیز تست
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

رَاعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَذُقُوا لِمَنِ الْشُكْرُ .

(اے داؤد کے گھرانہ والو شکریہ کرو اور میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہیں)

جان لو کہ شکر عبادت ہے اس سے کہ بندہ ہر اس چیز کو ایسی جگہ میں صرف کرے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا ہے خواہ وہ اعضاء ہوں یا ظاہری و باطنی قوتیں۔ اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو شکر حاصل نہیں ہو سکتا اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔ اس قسم کے علوم مخفی امداد سے ہیں۔ اگرچہ سرفہ سے کہے جاتے ہیں لیکن ان کا پوشیدہ رکھنا لازم ہے کہ آدمی فتنہ میں نہ پڑے اور دوسری وہ مشکل جو میرے سامنے تھی یہ تھی کہ وہ معاملہ شائد عالم مثال کا ہو وہ ان ایام میں حل ہو گئی اور کوئی چیز مخفی نہ رہی شاہد روحانیت کے اس معنی میں خواجہ معین الدین کا بھی کچھ دخل ہوا اور محمد معصوم نے اس مشکل کو ظاہر اول میں رکھا ہو۔ والسلام۔

سے کریم گروں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔ ۱۷

مے میں اپنے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہوں، تو نے ہی مجھے سب چیزیں دی ہیں اور میں خدا بھی تیری چیز ہوں ۱۷

مکتوب نمبر ۱۰۵

شیخ حسن برکی کی طرف سے اور فرمایا

ان کے مرنے کے جواب میں جہانوں نے اپنے حالات کے متعلق لکھا تھا اور احیائے سنت کی ترغیب اور بدعت سے تنبیہ کے بیان میں)

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى - میرے بھائی عزیز شیخ حسن اللہ تعالیٰ ان کی آرزوؤں کو اچھا کرے گا گرامی مار پیچا خوشی ہوئی۔ وہ علوم و معارف جہاں میں درج تھے ان کے مطالعہ نے راحت پر راحت بڑھادی۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ علوم صحیحہ میں اور مصلحت صادقہ اور کتاب و سنت کے مطابق ہیں اور فرقہ ناجیہ کے عقائد حقہ کے موافق ہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ استقامت کی کرامت عطا فرمائیں اور مقاصد علیہ کی انتہا تک پہنچائیں۔

کچھ بدعت کو مٹانے کے متعلق لکھا تھا یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ بدعت کی ایسی تاریکیوں کے دور میں کوئی صاحب دولت بدعتوں میں سے کسی بدعت کے اٹھانے کی توفیق پائے، اور مستقل میں سے کسی سنت کو زندہ کرے صحیح احادیث میں آیا ہے کہ جو شخص سنت کو زندہ کرے بعد اس کے کہ اس سنت سے عمل اٹھ چکا ہو اس آدمی کو سو فیصد کا ثواب ہے اس جگہ سے اس عمل کی زندگی کو معلوم کریں۔ لیکن اس قدر اس نعمت کی رعایت کریں کہ کوئی فقہ نہ اٹھ کھڑا ہو کہ ایک نیکی نبوت سی بڑائیوں کے حضور کا سبب بن جائے کہ زمانہ آخری ہے اور اسلام کی کمزوری کا وقت ہے۔

وہ رسالہ جو آپ نے بھیجا تھا اس کے مطالعہ سے خوشی ہوئی اللہ سبحانہ کا احسان ہے کہ علوم میں اس فقیر سے بہت موانعت ہے اور کشف میں مطابقت نظر آئی ہے اور آپ کی نگاہ بہت بلند چلی گئی ہے آپ کے خط کو جو کہ حال اور علوم اور استفسارات پر متضمن تھا اپنے بھائی خواجه محمد باشم کشمی کے سپرد کیا تھا کہ جواب لکھنے کے وقت حاضر کر دیں اتفاقاً وہ گم ہو گیا اس بنا پر جوابات کی تفصیل میں توقف واقع ہوا جو کچھ دل میں رہ گیا تھا اس کو لکھا ہے۔ مختصر کہ احوال پسندیدہ ہیں اور علوم کی صحت ثابت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ منفرت پناہ مولانا احمد کے فرزندوں کی تعلیم و تربیت میں سعی ملینے فرمائیں اور آداب ظاہری و باطنی کی راہنمائی کریں اور اس علاقہ کے تمام دوستوں کو بلکہ اس علاقہ کے تمام مسلمانوں کو شریعت کی دلالت اور التزام سنت کی تاکید کریں اور بدعت کے ارتکاب سے ڈرائیں اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

جلد ثالث کے بعض مکتوبات کو خواجہ محمد ہاشم نے لکھ کر آپ کو بھیجے ہیں ان سے فائدہ اٹھائیں۔ فقیر کے اوقات مختلف ہیں بعض اوقات بے اختیار علوم و معارف کو تحریر کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور دوسرے بعض اوقات میں باوجود اس کے کہ اصرار فرمادیا کہ قیضان ہونا ہے لکھنے سے نفرت پیدا ہوتی ہے اس حد تک کہ لائقہ میں قلم پکڑنا گوارا نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ آپ کے خطوط جو پہنچتے ہیں ان کے جواب کی تفصیل میں تاخیر پڑ جاتی ہے اور میں تکلف سے بھی کوئی چیز نہیں لکھ سکتا باقی حالات قابلِ تعریف ہیں رشک کی ہر اس سے اللہ تعالیٰ کی عزت سے خلاصی میسر ہوگئی ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ استقامت رکھیں اور اس علاقہ کے دوستوں کے لئے خاص دُعا میں ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۰۶

محمد رضا گلان مسلم اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

(اس واقعہ کے بیان میں کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ان سے بہت بڑی بشارتیں پائی ہیں) فرزندِ گرامی کا مکتوب شریف پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے کہ آپ صحت و عافیت سے بہرہ و معاملہ جو تازہ تازہ آج ہی ظاہر ہوا ہے لکھتا ہوں۔ اچھی طرح سنیں۔

آج رات جو کہ ہفتہ کی رات تھی اور بادشاہ کی مجلس میں گیا ہوا تھا ایک پہر رات گزرنے کے بعد واپس آیا اور حافظ سے تین پارے قرآن مجید سنائے دو پہر سے زیادہ گزر چکی تھی کہ نیند آئی۔ صبح کے صلیب کے بعد چونکہ رات کی کوفت ابھی باقی تھی سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیر کے لئے اجازت نامہ لکھا ہے جیسا کہ مشیخ کی عادت ہے کہ خلفاء کے لئے اجازت نامہ لکھتے ہیں اور میرے طرف دار دوستوں میں سے ایک آدمی اس معاملہ میں ہے

اسی اثنا میں گریبا ظاہر ہوا ہے کہ اجازت نامہ کے اجراء میں ایک طرح کا فتور ہے اور وجہ فتور کی تعیین بھی اسی وقت معلوم ہے وہ دوست جو اس خدمت میں پیش کار ہے دوسری دفعہ اس اجازت نامہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجازت نامہ کی پشت پر ایک دوسرا اجازت لکھا ہے یا لکھوایا ہے اس کا اچھی طرح پتہ نہ چل سکا۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت صحیح ہے اور لکھنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی مٹہ سے مزین فرمایا ہے اس اجازت نامہ کا مضمون یہ ہے کہ اجازت نامہ دنیا کے عوام میں اجازت نامہ آخرت دیا ہے اور مقام شفاعت

سے حصہ غایت فرمایا ہے اور کافہ بھی بڑا لمبا ہے اور سطریں بھی بہت سی نکسی ہیں۔ میں اس دوست سے پوچھتا ہوں کہ پہلا اجازت نہ کرنا ہے اور دوسرا جو اب لکھا ہے وہ کونسا ہے ؟

اور میں اس وقت ایسا محسوس کرتا ہوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جگہ میں رہتا ہوں اور بیٹے کی طرح اپنے باپ کے ساتھ زندگی گزارتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہلبیت میرے لئے اجنبی نہیں ہیں اور میں نے اس کا تذکرہ لپیٹ کر اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا ہے اور فرزند ان محرم کی طرح میں بھی ان کے محرم شریفین میں داخل ہو گیا ہوں۔ اہمات المؤمنین میں سے سب سے بڑی ماں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مجھے بعض خدایات کا اہتمام سے حکم دیا ہے اور فرمایا ہے ہیں تمہارا انتظار تھا۔ اس اس طرح کرنا چاہیے اور اس وقت میں خواب سے بیدار ہو گیا۔

اور یہ چیز دل سے نکل گئی کہ اس نذر کی جہ کیا تھی جس قدر آنکھ کھلتی ہے اسی قدر معلوم ہوتا ہے اور اس واقعہ کی خصوصیات دل سے علی جاتی ہیں شاید آپ کو یہ بات یاد ہوگی کہ میں نے اس باب میں پہلے بھی آپ سے ذکر کیا تھا کہ یہ بلند نسبت عجیب ہے کہ اپنے اندازہ کے مطابق ظہور نہیں کرتی پس دل میں خیال گزرتا ہے کہ اس کا ظہور ظاہر آخرت کے لئے ذخیرہ ہے اور اس کا نعم البدل میسر آئے گا اس واقعہ سے ان ترقوات کی تسلی حاصل ہوئی۔ قیامت قریب ہے اور اندھیرے نہ بدلتے ہیں کو نسی خیریت ہے اور کو نسی نورانیت شائد حضرت مہدی علیہ الرضوان ہوں کہ جن کو ظاہری خلافت کی تائید بھی ہوگی اس کو رواج دے سکیں اور اس نعمت کا شکریہ ہے۔ آج مختلف کھانوں کے متعلق حکم دیا ہے کہ پکا میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو ثواب پہنچائیں اور خوشی کی مجلس قائم کریں خط لے جانے والے بھی شاید ان کھانوں میں سے کچھ کھائیں۔

دوسری یہ بات ہے کہ میں نے ایک خط میں ایک واقعہ لکھا تھا جو کہ دونا ہوتا تھا کہ تیسرے دوست کو نذر کی کے لئے قبول نہ کیا ایک زمانہ کے بعد ظاہر ہوا کہ محض کرم سے اس کو بھی قبول کر لیا ہے اور قبولیت کے آثار پیدا ہوئے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اس پر اور تمام نعمتوں پر تعریف اور احسان ہے

ان دنوں میں معارف غریبہ اور علوم عجیبہ ظاہر ہو رہے ہیں گویا کہ وہ وقت مقرر قوم ہو چکا ہے اور معاملہ ایک دوسرے پر ظاہر ہوتا۔ فرزند دور ہیں اور عمر کا معاملہ نزدیک ہے دیکھو کیا ہوتا ہے "بھلائی اُسی میں ہے جو اللہ تعالیٰ کرے" میں یہی کہتا ہوں اور صبر کرتا ہوں۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت غایت فرما، اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔

مکتوب نمبر ۱۰۷

نواب محمد انیسف کی طرف سے ارسال شدہ مایا

(تعلق کی نسبت میں فخر واقع ہونے اور عبادت میں لذت نہ رہنے کے بیان میں)

حمد و صلوة اور دعا گوئی کے بعد عرض ہے کہ میرے بھائی عزیز کا گرامی نام پہنچا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تعریف ہے کہ آپ صحت اور عاقبت سے ہیں آپ نے پوچھا ہے کہ ”اُس کی کیا وجہ ہے کہ حب تعلق کی نسبت میں فخر واقع ہوتا ہے تو تمام طاعات کے بجائے میں لذت نہیں رہتی۔“

جان لینا چاہیے کہ وہی وجہ جو فخر رابطہ کا سبب ہوئی ہے وہی لذت کو بھی زدک دیتی ہے کیسی ایسا ہوتا ہے کہ فخر کا سبب قبض ہوتا ہے اور کیسی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کدورت طاری ہو جاتی ہے کسی لغزش کے ارتکاب کی وجہ سے اگرچہ وہ لغزش چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ پہلی وجہ بری نہیں ہے بلکہ سلوک طریقیہ کے لوازمات میں ہے اور دوسری وجہ پیش آنے کا تمارکِ توبہ اور استغفار سے کرنا چاہیے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس کا اثر وائل ہو جائے اور چونکہ قبض اور کدورت کے درمیان تمیز کرنا بڑا مشکل ہے بہر حال توبہ بڑا مستفاد فائدہ مند ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ استقامت عطا فرمائیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۰۸

ملاحظہ فرمادہ کی طرف سے ارسال شدہ مایا

(ان معاملات کے بیان میں جو اصل سے تعلق رکھتے ہیں اور میرے معنی سے منقول ہے)

وہ معاملات جو اصل الاصل سے تعلق رکھتے ہیں دو قسم کے ہیں ایک قسم وہ ہے کہ اس جگہ سے ضروری یا کسی اور امر سے معلوم کیا جاسکتا ہے اور یہ معاملہ اس وقت تک ہے جب تک کہ یہ مقامات میں ہے اور ان کو عالم سے مناسبت یا مشارکت ہے اگرچہ کسی وجہ سے بھی ہو اور اس کی انتہا مقام رضا کی نسبت تک ہے اور جب کسی شخص کو مقام رضا کے اوپر سیر میسر ہوتی ہے تو اس جگہ کوئی چیز اُس کے علم میں نہیں آتی نہ صورِ مثالی سے اور نہ کسی اور امر سے اس وقت عارف کو محض اوپر کے مقامات کے حصول کا علم ہوتا ہے نیز اس کے کہ کوئی چیز اس کو معلوم ہو اور ان مقامات میں نبوت و رسالت وغیرہ کا نام بھی منقود ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حدت

حق سبحانہ و تعالیٰ کے لئے کل کو بہشت میں ان کا علم نصیب کر دیں گے اور اس سیر کی انتہا مرتبہ مخصوص تک ہے جو بالمشافہ مذکور ہوئی ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۰۹

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ سبحانہ کی طرف مکتوب

اس بیان میں کہ عالم کی ایجاد مرتبہ دہم میں ہے لیکن مستقار و تعلق ایجاد سے نفس امری ہر کچا ہے اور یہ مرتبہ علم اور خارج کے مرتبہ سے الگ ہے اور اس بیان میں کہ وحدت بھی نفس امری ہے اور کثرت بھی اور اس تحقیق میں کہ باوجود اثبات واستقرار کے سالک کی فنا کس منی سے ہے اور یہ مکتوب حواشی ایام کی وجہ سے نامکمل رہا۔

مرتبہ دہم اس مرتبہ سے عبارت ہے کہ اس جگہ نمود بے بود بھی مثلاً جیسا کہ صورت زید اگر آئینہ میں متوہم ہو تو اس جگہ نمود بے بود ہے اس لئے کہ آئینہ میں بالکل کوئی صورت موجود نہیں ہے اور نمود وہی سے زیادہ اس جگہ ثبوت نہیں رکھتا اور صحیح کشف اور شہود صادق سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے کمال اقتدار سے عالم کو اسی مرتبہ میں پیدا فرمایا ہے اور اپنی کمال صنعت اور کلاگری سے نمود محض کو بہستی عطا کی ہے اور اس مرتبہ میں اگرچہ نمود بے بود ہے لیکن جب عالم اس مرتبہ میں مخلوق ہوا ہے تو اس کا نمود بائود آیا ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ کی ایجاد مثبت بود وجود ہے اور جب نمود بائود ہوا تو نفس امری ہو گیا اور احکام و آثار صادقہ اس پر مرتب ہوئے۔

اور دہم کا یہ مرتبہ علم و مرتبہ خارج سے الگ ہے اور یہ مرتبہ علم کے مرتبہ سے زیادہ مرتبہ خارج سے مناسبت و مشابہت رکھتا ہے اور اس کا ثبوت ثبوت خارجی سے مشابہ ہے برخلاف ثبوت علمی کے کہ اس کا وجود ذہنی کہتے ہیں اور اس کے مقابل وجود خارجی ہے اور وہ نمود جو مرتبہ دہم ہے وہ بھی نمود خارجی سے پوری مشابہت رکھتا ہے برخلاف مرتبہ علم کے کہ وہاں بطون و مکون ہیں گو یا کہ مرتبہ دہم میں مرتبہ خارج کا خلق ڈال کر اس جگہ عالم کی ایجاد فرمائی ہے اور وجود خارجی کے نقل سے عالم کو خلق کے مرتبہ میں موجود کیلئے پس نفس خارج میں سوائے ایک ذاتِ احدیت کے کوئی چیز موجود نہیں ہے اور خارج کے نقل میں وجود خلق سے عالم اس کثرتِ تعدد کے باوجود خداوند تعالیٰ کی ایجاد سے موجود تھا خارج میں نفس امر وحدت ہے اور خلق خارج میں نفس امر کثرت ہے جیسا کہ علم میں بھی نفس امر کثرت ہے پس وحدت بھی نفس امری ہوگی اور کثرت بھی اور ہر ایک کا اعتبار الگ ہے اور اس میں کوئی استمالہ نہیں ہے۔

واقع کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ وہم ہی ہے جو پنجاہ ہزار سال کی راہ کو جو بندے اور خدا کے درمیان ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے تھوڑی سی مدت میں قطع کر دیتا ہے اور وصول کے درجات تک پہنچا دیتا ہے اور خیال ہی جو غیب الغیب کے اسرار و دقائق کو اپنے آئینہ میں منکشف کرتا ہے اور سالک مستند کو مطلع کر دیتا ہے اور یہ ہم کی بزرگی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے عالم کی پیدائش کو اس مرتبہ میں اختیار فرمایا ہے اور اس کو کمالات کے ظہور کا محل بنایا ہے اور یہ خیال ہی کی بزرگی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو عالم مثال کا نمونہ بنالیا ہے جو کہ تمام عوالم سے زیادہ وسیع ہے یہاں تک کہ خداوند کی صورت بھی اس عالم میں موجود کہتے ہیں اور حکم لگایا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی مثل نہیں ہے لیکن مثال ہے **وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی** (اور اللہ تعالیٰ کے لئے بلند مثل ہے) احکام و جوہر کی صورتیں ہیں کہ عارف ان کو اپنے خیال کے آئینہ میں محسوس کرتا ہے اور ان کی دیانت کے ذوق سے متلی کرتا ہے۔

سوال ۱:- سابق تحقیق سے واضح ہوا کہ فنا و نیستی خیال کے اعتبار سے ہے اگرچہ وہ یقین قلبی تک پہنچا دیتا ہے اور وجدانی و ذاتی بنا دیتا ہے اور اس پر احکام صادق و صاوتہ مرتب ہوتے ہیں نہ کہ اعتبار حقیقی و مجرد اور تم نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ یہ فنا باعتبار وجود ہے اور اس میں ذات و صفت کا زوال ہے اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟

جواب ۱:- چونکہ وجود خلق کا رجوع اصل یقین سے مل گیا تو ذوق و وجدانی ہو گیا تو لازماً وجود کے زوال کا حکم بھی کیا گیا اور ذات و صفت کے ارتفاع کے متعلق بھی کہا گیا۔

سوال ۲:- فنائے وجودی کا یہ حکم ثبوت و استقرار نالی کے باوجود صادق ہے یا کاذب؟

مکتوب نمبر ۱۱

حضرت مخدوم زادہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرف مآدر فرمایا

اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ اس حد تک پہنچتا ہے کہ کسی معلوم کی معرفت اس میں داخل نہیں ہوتی اس وقت اس کے ذات میں سے ہر فرد مطلوب کی طرف ایک شاہراہ ہے اور اس کا بیان کہ اس عارف کی محبت خدا تعالیٰ کی محبت تک لے جاتی ہے اور اس کا بغض خدا تعالیٰ کے بغض تک پہنچا دیتا ہے اوصاف طرح اس کی توہین و تعظیم اور مراد اللہ صلوات اللہ علیہ وسلم کی آل اور آپ کے صحابہ کو بھی یہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا یہ منہر بغض و نفرت ہوئے) جب کوئی عارف مقامات خلق کو طے کر کے معاملہ کو اصل تک پہنچا دیتا ہے تو اس وقت اس کا علم جو کہ اشیاء سے تعلق کر گیا وہ غلیظت کی تید سے مبرا ہو گا یعنی اشیاء اس کی معلوم ہو گئی لیکن ایسے طریقہ پر کہ کوئی

بھی ان میں سے اس میں حصول ذکر سے گی کیونکہ جو کچھ چیز اس میں شامل ہوگی وہ اس شے کی عقل اور صورت ہوگی نہ کہ اس شے کی ذات جیسا کہ علم کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ وہ عقل میں کسی شے کی صورت کا حصول ہے اس لئے کہ اس میں شک نہیں ہے کہ عقل میں کسی چیز کی مثال ہونے والی صورت اس شے کی مثال اور شبیہ ہے نہ کہ اس کا عین جیسا کہ کشف مرتبہ اور المام صحیح اس کی شہادت دیتے ہیں۔

اس وقت عارف عالم کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے کوئی نسبت سوائے نسبت صانیت و موصوئیت کے کوئی چیز ثابت نہ کی جاسکے گی اور خلقت اور عینیت اور مراتب سے تماشائی (بیزاری) ہو جائے گی کیونکہ یہ معاملہ کمالات ذاتیہ سے وابستہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو عالم سے غائر ذات ہے اِنَّ اللّٰهَ لَذِیُّ الْعِلْمِ (اللہ تعالیٰ سب جہانوں سے بے نیاز ہے) بر خلاف بعض اسماء و صفات کے مراتب کے کہ ان میں نسبت متصور ہے پس جب تک کہ ان مقامات سے نہیں گذرتا اور اصل الاصل تک نہیں پہنچتا اس نسبت سے بے نصیب ہے۔ اس وقت میں عارف کے ذات میں سے ہر ذرہ خداوند تعالیٰ کی ذات تک ایک شاہراہ ہے۔ بر خلاف علم حصولی کے کہ اس صورت میں عالم ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور خود تمام اشیاء کا آئینہ بنتا ہے اور اسی طرح خلقت اور مراتب کی صورت میں ہر شے اس علم والے کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور اس کی بصیرت کی لہر کو اپنے سے باہر نہیں چھوڑتی۔

اور جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خلقت کے حصول کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے تو موجودات کے ذرات میں سے ہر ذرہ خواہ وہ عرض ہو یا جوہر اور خواہ وہ آفاق ہو یا انفس اس کے لئے غیب الغیب کا دروازہ بن جاتا ہے۔ جانا چاہیے کہ جس طرح پہلے وہ شخص تمام اشیاء کا آئینہ تھا اور جو کچھ وہ کرتا تھا اپنے لئے کرتا تھا اور جو کچھ اس سے صادر ہوتا تھا ناچار اسی آدمی کی طرف راجع ہوتا تھا خواہ نیت کرے یا نہ۔ اب جبکہ اس نے اپنے آئینہ کو آئینہ داری سے روک دیا اور عقل کی قید سے آزاد ہوا اور پانی کی نالی کی طرح ہو گیا کہ جو کچھ بھی اس میں پڑا نہ رہا بلکہ اس کو باہر نکال دیا تو لازماً جو کچھ بھی وہ کرے گا اپنے لئے نہ کرے گا بلکہ خدا تعالیٰ کے لئے کرے گا خواہ وہ نیت کرے یا نہ کرے، کیونکہ نیت اُس میں ہوتی ہے جس میں افعال ہر اور عینی چیز میں نیت نہیں ہوتی۔

اس وقت اس عارف کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت تک لے جاتی ہے اور اس کا بغض خدا تعالیٰ کے بغض تک پہنچا دیتا ہے اور اسی طرح اُس کی تعظیم و توقیر اللہ تعالیٰ تعظیم و توقیر سے اور توہین اور بے ادبی خدا تعالیٰ کی توہین اور بے ادبی تک پہنچا دیتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو بھی اپنے درجات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نسبت ہے کہ ان کی محبت اور بغض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور

بعض تک پہنچا دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے ان سے محبت رکھی سو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو بھی ان سے یہی نسبت ہے لیکن اس بلند نسبت کا تصور حضرت علی اور فاطمہ الزہرا اور حسین رضی اللہ عنہم میں کامل تر ہے اور بارہ ائمہ میں سے ان کے علاوہ باقی میں بھی یہ نسبت سرائت کرتی ہوئی مشہور ہوتی ہے اور پھر ان کے علاوہ یہ نسبت محسوس نہیں ہوتی۔ والسلام

مکتوب نمبر ۱۱۱

شیخ نور محمد تہاری کی طرف معاذ اللہ دیا

(مقام قاب قرصین او ادنیٰ کے اسرار طریقہ کے بیان میں اور اس راز کا بیان کہ عارف اپنے باطن جانب کے کھنے والے کو نہیں پاتا اور یہ معارف بھی منقول معنی میں)

قَابِ قَوْسِیْن کے معاملہ میں ظاہر میں مظلوم کا رنگ ظاہر ہوتا ہے کیونکہ سالک سے ذات و صفت کے زوال کا معاملہ حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ معاملات آؤ آؤ فی کے کہ اس جگہ مفسر سے کوئی حکم اور اثر باقی نہیں رہا ہے پس اس مرتبہ ثانیہ میں لازماً مفسر ایک ایسا معاملہ ہوگا جو مرتبہ وجوب سے مستفاد ہوگا اور وہ ایک خاتم طاعت ہے جو عارف کو معاملہ پورا کر لینے کے بعد مرتبہ اصل سے عنایت فرماتے ہیں اور اس کو لافاضہ صورت سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے یہ ایک بڑا گہرا راز ہے اللہ شاد اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل کسی اور موقع پر تحریر کی جائے گی۔ پس مفسر اس معاملہ میں ایک ایسا امر ہوتا ہے جس میں عدم کی بوجہ راہ نہیں پاسکتی اور امکان کے شائبہ کو اس میں دخل نہیں ہے پس اگر ہم اس مرتبہ میں انفعال (اثر قبول کرنا) کا اثبات کریں تو وہ اپنے آپ سے ہوگا نہ کہ غیر کی طرف سے کیونکہ غیر کا کوئی اثر اور نشان باقی نہیں رہا ہے۔

وَلَوْ جِہِ مِنْ وَجْہِہِ ثُمَّ وَلَیَعِیْنِہِ مِنْ عَیْنِہِ کُلِّ

اگرچہ وہ انفعال جو مرتبہ قاب قرصین میں ثابت کیا جائے گا وہ بھی حق ہے اور وہ حضور جو اس مرتبہ میں ہوتا ہے اصل کا ظہور ہے لیکن اس میں خلیت کا شائبہ نہیں ہے اور مرتبہ بلند کے لائق نہیں ہے۔ وہ انفعال جو اس مرتبہ مقدمہ کے لائق ہوتا ہے وہ ہے جس میں خلیت کی بوجہ راہ نہ پائی ہو اور کسی صورت میں بھی غیر کو درمیان میں کوئی دخل نہ ہو کیونکہ غیر عدم کی آلودگی سے خالی نہیں ہے اور امکان کے نقص سے باہر نہیں ہے ہاں

لے اس کے چہرے لے اس کا ہاتھ چڑھ چاند ہے اور اس کی آنکھ کھلے اس کی آنکھ ہی کا سرور ہے۔ ۱۱۰

اگر مراتب غلال کے انفعالات اس طرح کے ہوں تو ان کی گنجائش ہے

جاننا چاہیے کہ اس معاملہ میں اُد اُدنی کہ جس کا کچھ تذکرہ ہو چکا ہے عارف اپنے بائیں جانب کے لکھنے والے کو نہیں پاتا اس کا راز یہ ہے کہ اس وقت میں اس کی بائیں جانب، دائیں جانب کا حکم حاصل کر لیتی ہے کیونکہ شمال (بائیں جانب) عدم کے تقاضوں میں سے ہے پھر جب عدم کے احکام نازل ہو گئے اور خالص وجود باقی رہ گیا تو اب اس جگہ بائیں جانب ہے ہی نہیں بلکہ "اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں" اس کو سمجھ اور بے دینی میں قبلانہ ہو۔

جب تم نے ان گہرے اسرار اور معارف غریبہ کو معلوم کر لیا تو اب سُبْحَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ثَبِّحْ دَنَا فَتَدْنٰی الْاَیَّ (پھر وہ قریب ہوا پھر لپکا) جان لے کہ اس دَنُو (اقرب) کا تحقق اُد اُدنی کے تحقق کے بعد ہے جو پہلے ذکر ہوا ہے کیونکہ جب تک عارف کا کوئی اثر اور حکم باقی ہے اور عدم کی آلودگی سے مبرا نہیں ہوا ہے اس کو اس دَنُو کی بیانت نہیں ہے اس دَنُو کے تحقق کے بعد تَدْنٰی (لپکنا) ہے جو نزول کے رُوبرو ہے جب تَدْنٰی کا تحقق ہو جاتا ہے اور عارف کو خلق میں لاتے ہیں تو اس وقت توسین کی صورت ظاہر ہوتی ہے اگرچہ قوس اول کا کوئی اثر اور حکم باقی نہیں رہا ہے لیکن جب اس کو تَدْنٰی سے مشرف فرماتے ہیں تو اس وقت توسین کی صورت متبرہم ہوتی ہے۔

پس بعد از تَدْنٰی فَکَانَ قَابِ قَوْسَیْنِ اُد اُدنی اس اعتبار سے فرمایا ہے کہ اس وقت توسین کی صورت ثابت ہے نہ کہ اس کی حقیقت اُد اُدنی یعنی بلکہ اس سے بھی قریب کیونکہ اس جگہ قوس ثانی کا کوئی اثر اور حکم باقی نہیں رہا تو اس جگہ حقیقت میں دو قوس ہیں ہی نہیں۔ پھر معارف اللہ تعالیٰ کے اسرار سے میں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں اخص انھماں پر ظاہر فرماتے ہیں۔ والسلام علی من اتبع الهدی والترمذی متابعہ اَصْطَغْفٰی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والبرکات (علی)۔

مکتوب نمبر ۱۱۲

شریعت پناہ قاضی اسلم کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقہ نہ اللہ تعالیٰ کا میں ہیں اور نہ اس کا غیر ہیں

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصْطَغْفٰی۔ علمائے اہل سنت مشرک اللہ تعالیٰ سے ہم نے اللہ تعالیٰ کی صفات ثنائیہ کے متعلق کیسا اچھا کہا ہے کہ "نمودہ اللہ تعالیٰ ہیں اور نہ اس کا غیر ہیں" یہ معرفت عقل سے

بالا تر ہے جو کہ نور فراست اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی برکت حاصل ہوتی ہے۔ عقلاً اس عبارت سے رفع فیضین سمجھتے ہیں ان کو یہ نہیں معلوم کہ حصول تناقض کے لئے زمان و مکان کا اتحاد شرط ہے اور جبکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زمان اور مکان کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے تو تناقض کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ اور وہ جو علمائے دفع تناقض کے لئے لفظ غیر میں تصرف کیا ہے اور غیر سے ایک خاص معنی مراد لئے ہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ نظر کشفی اس تخصیص سے منع کرتی ہے اور غیر کی نفی جس صورت میں بھی ہو وہ اثبات کرتی ہے اور ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات جس طرح خدا تعالیٰ کی عین ذات نہیں ہیں کیونکہ وہ نامہ میں اس طرح وہ غیر ذات بھی نہیں ہیں اگرچہ وہ نامہ میں اور وہی کی نسبت پیدا کر لی ہے اس جگہ ارباب مقول کا مقدرہ قاعدہ اَلِشَّيْءِ مِمَّا يَسُوْنُ وَكَوْنِیْ اَلْیَسُوْنِ اَلْیَسُوْنِ میں متغایر ہوتی ہیں، غلط ٹھہرتا ہے اور ان کے اصول کو توڑ دیتا ہے اور وہ جو کہا ہے کہ وہ عقل سے بالاتر ہے اس معنی سے ہے کہ عقل وہاں راہ نہیں پاسکتی اور وہ اس کے اور اک سے قاصر ہے نہ کہ عقل اس کے برخلاف حکم کرتی ہے وہ اس کے برخلاف کس طرح حکم کر سکتی ہے کہ اس نے اس کا تصور بھی نہیں کیا ہے بلکہ وہ اس کے اور اک کے احاطہ سے باہر ہے تو اس کے اثبات اور نفی کے حکم کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاصرین میں جہاد پیداکر۔

مکتوب نمبر ۱۱۳

ملا سلطان سرمنہی کی طرف حاد و فرمایا

اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ صفات حلیۃ اور علم اور باقی تمام کمالات سے متصف ہیں اور صفات کے ذات آئیں

سے قیام کا کیا معنی ہے

اللہ تعالیٰ کی صفات جو کہ اس کی ذات کے ساتھ قیام رکھتی ہیں مثلاً حیۃ و قدرت و علم وغیرہ وہ اپنے کمال تہذیب و تقدس کی وجہ سے ممکن کی صفات سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتیں کیونکہ ممکن کی صفات اعراض ہیں جو جو اہر کے ساتھ قیام رکھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات جو اہر کو قائم کرنے والی ہیں کہ جو اہر کا قیام انہی سے ہے اور پھر یہ فرق بھی ہے کہ ممکن کی صفات میت کا حکم رکھتی ہیں اور جہاد و محض ہیں اور حیۃ و علم وغیرہ سے بے نصیب ہیں البتہ آنحضرتؐ کے ممکن ان کے ذریعہ سے حتیٰ اور عالم اور قادر بن جاتا ہے لیکن یہ سب صفات بذات خود حی اور عالم نہیں ہیں برخلاف اللہ تعالیٰ کی صفات مقدسہ کہ اس حقیر کی نظر کشفی میں وہ بھی اپنے موصوف کی طرح حتیٰ اور عالم ہیں اور اپنے کمالات کی تفصیل سے واقف ہیں اور ان پر فریفتہ ہیں لیکن ان کا علم علم حصولی

کی جنس سے مفہوم ہوتا ہے نہ کہ بمعصولی کی جنس سے۔

اور اسی طرح ہر وہ صفت یا شان جو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کی جانے ان سب میں حیۃ و علم کا ثبوت معلوم ہوتا ہے اور خالص نور نظر آتی ہیں گویا کہ وہ نور سب کا سب علم اور انکشاف ہے اور سب کا سب حیۃ ہے اور یہ دونوں کمال کی صفات اس جگہ ظہور ہو رہی ہیں برضلاف دوسری صفات قدرت و ارادت وغیرہ کے کہ اس وضاحت سے اس جگہ معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں جو کچھ درکار ہے وہ اس مقام میں کمالات کا انکشاف ہے جو کہ صفت علم سے متعلق لکھتا ہے اور چونکہ علم حیۃ کے تابع ہے لہذا صفت حیۃ سے بھی چارہ نہیں ہے اور قدرت اور ارادت مفقود اور مراد سے وابستہ ہیں اور تسبیح و تہلیل کے ساتھ انکشاف کیا جاسکتا ہے اور کلام کا مقصود افادہ ہے اور تمکون کائنات کے حصول کے لئے ہے۔

اس کے باوجود ہر صفت چونکہ جامع ہے تو لازماً یہ صفات کمال ان میں ثابت ہیں ظاہر ہوں یا نہ ظاہر ہوں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس بیان سے لازم آیا کہ ”معنی کا قیام معنی سے ہوتا ہے کیونکہ صفات حقیقی اور عالم ہوں گی تو ان سے حیۃ و علم کے قیام سے چارہ نہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ دونوں کا قیام اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے ایک اصلی طور پر اور دوسری تبعیت میں پختہ چارہ علمائے اعراض کی بقا میں کہا ہے کہ عرض اور بقائے عوالم دونوں محل عرض قائم ہیں۔

اور اس بحث کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات کا قیام خدا تعالیٰ کی ذات سے اس طرح کا نہیں ہے جیسے عرض کا قیام جوہر سے ہوتا ہے ہرگز نہیں بلکہ ان کا قیام اس طرح ہے جیسے مصنوع کا قیام صانع سے ہوتا ہے کہ صانع اپنے مصنوع کا قیوم ہے اگرچہ اس جگہ انصاف ہے اور اس جگہ انصاف نہیں ہے بلکہ ان کا قیام کسی چیز کے اپنی ذات سے قیام کی طرح ہے اتنا فرق ہے کہ اس جگہ نہ بابت ثابت ہے اور اس جگہ نہ بابتی مستقر نہیں ہے لیکن وہ نہ بابتی غیرت کی حد تک نہیں پہنچاتی ہے کیونکہ علمائے ”نہ اس کا غیر ہیں“ فرمایا ہے پس دونوں جگہوں میں تقابلاً اعتباری ثابت ہوا اور قیام متحقق ہوا اور انصاف کا حصول اس جگہ انسان کا انصاف سے انصاف کی طرح ہے یا جوہر کے جوہریت کے انصاف کی طرح۔

بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جس مقام میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات حقیقیہ مقدسہ ہیں جو کہ حضرت ذات سے قائم ہیں صفت اور انصاف کا کوئی لاحقہ اس جگہ ثابت نہیں ہے نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں موجودیت کا لاحقہ ہے اور نہ صفات مقدسہ میں صفاتیت ملحوظ ہے جس صورت میں کہ وجود اور وجوب وجود کو بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گنجائش نہیں ہے تو صفت و انصاف کی کیا مجال ہے جو کہ وجود کی شاخ ہیں اس مقدس مقام میں سوائے نور کے اور کسی کو گنجائش نہیں ہے اور وہ بھی بے چوٹ ہے اگر حیۃ ہے تو بھی نور ہے اور اگر علم ہے تو بھی

نور ہے وعلیٰ ہذا قیاس۔ اور اس نور اقدس بے چون کو اگر مرتبہ ثانی میں بے تغیر و انشغال اثبات کیا جائے تو یقیناً اس کی منظریت کے قابل سوائے وجود کے اور کوئی چیز دوسری نہیں ہو سکتی۔ لہذا اس فقیر کے نزدیک یقیناً اول تعین وجود ہے اور باقی سب تعینات اس تعین کے تابع ہیں اگرچہ تعین کے لفظ کا اطلاق بھی اس فقیر کے علوم کے مطابق اس جگہ گناہش نہیں رکھتا لیکن چونکہ قوم میں یہ لفظ متعارف ہو چکا ہے لہذا ہم بھی اس کے اطلاق میں کچھ نرمی کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر ہے

مکتوب نمبر ۱۱۴

راوند تعالیٰ کی صفات اور ان کے کمالات سے تعلق کی کیفیت اور اس بیان میں کہ معنی کو اپنے قیام کے لئے عین سے چاہ نہیں لیکن اس کے لئے اثبات محل کی ضرورت نہیں ہے اور تعین وجودی اور انبیاء متبرہین اور امیاء تابعین اور ملائکہ کرام علی الانبیاء وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کے مبادی اور اولیہ و عوام مریدین کفار اور خودی پیدا ہونے کے موجودات کے تعینات کا بیان

صفات حقیقیہ جو کہ ہم مرتبہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس میں ثابت کرتے ہیں اس اثبات سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں کوئی تعین اور تنزل پیدا نہیں ہوتا اور مرتبہ اولیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا مرتبہ ثابت نہیں ہوتا اور کسی طرح بھی ان کی علیحدگی کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی اور جب تک مرتبہ ثانی متمیق نہ ہو اور کسی طرح سے بھی انفکاک حاصل نہ ہو تعین اور تنزل کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات حقیقیہ گویا کہ ایک مرتبہ میں ثابت ہیں اور باوجود زیادتی کے گویا کہ عین اللہ تعالیٰ کی ذات ہیں اور اگرچہ یہ صفات مقدسہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں مندرج کمالات کی تفصیل ہیں لیکن ان کا حکم باقی تمام اجمال و تفصیل سے علیحدہ ہے کیونکہ اجمال اس مرتبہ میں ہے جس مرتبہ میں تفصیل ثابت نہیں ہے بلکہ تفصیل کا مرتبہ اجمال کے مرتبہ سے نیچے ہے اور اللہ تعالیٰ کے بارگاہ میں یہ معنی مفقود ہے اور تفصیل عین مرتبہ اجمال میں ہے اور یہ معرفت عقل کے طریقہ کے علاوہ ہے جس کی راہنمائی نظر کشفی کو ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم اس مرتبہ میں کہ اس صفات سے متعلق ہوا ہے۔ اپنی ذات اور اپنے کمالات مندرجہ ذات کے علم کی طرح علم حضوری ہے اور یہ صفات باوجود زیادتی کے گویا عین عالم ہیں اور ان کا حضور حضور نفس عالم کی طرح ہے اور ان کے اللہ تعالیٰ کی ذات سے کمال اتحاد ہی کی وجہ سے صرفیہ رک ایک بہت بڑی جماعت نے صفات کو عین ذات کہا ہے اور صفات کی زیادتی کا انکار کیا ہے اور لاکھوں کے لفظ سے منع کر کے لاکھین دے اثبات فرمایا ہے اور کمال یہ ہے کہ باوجود تصدیق

لَا هُوَ کے لَاحِیْذُہ کا اثبات کیا جائے اور زیادتی کے باوجود غیرت کی نفی کی جائے یہ کمال معلوم انبیاء عظیم الصلوات والتسلیمات کے علوم کے مذاق اور آرائے صائبہ فرقہ نایبہ اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیم کے مطابق ہے۔

جاننا چاہیئے کہ انکشاف ذاتی اس مرتبہ میں کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات مقدسہ سے تعلق رکھتا ہے علم حضوری کے قبیل سے ہے کیونکہ صفات مقدسہ کا حکم بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کا حکم ہے جیسا کہ گذرا اور وہ جو ہم نے کہا ہے کہ وہ علم حضوری کی جنس سے ہے وہ اس لئے کہ علم حضوری عبارت ہے حضور نفس عالم سے اور صفات نفس عالم نہیں ہیں تو چاہیئے کہ ان کا علم علم حضوری نہ ہو لیکن جب کوئی صورت ان سے الگ نہیں ہوتی اور ان کا حضور نفس ثابت ہے تو وہ علم حضوری کے قبیل سے ہوں گی اور وہ انکشاف جو صفت علم سے تعلق رکھتا ہے۔ علم حصولی کے قبیل سے ہے اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ علم حصولی کے قبیل سے ہے اور اس لئے کہ علم حصولی عقل میں معلوم سے حاصل ہونے والی صورت سے عبارت ہے۔

اور اس فقیر کے نزدیک محقق اور مکشوف ہوا ہے کہ کسی معلوم کی کوئی صورت اللہ تعالیٰ کے علم میں پیش نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم کسی صورت معلومہ کا معلق نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ (عالم) کی ذات میں صورت کا حصول کس طرح ہو سکتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا معلوم سے ایک قسم کا تعلق ہے اور اس کے متعلق ایک انکشاف ہے بغیر اس کے کہ معلوم کی کوئی صورت علم میں ثابت ہو اور علم کا خانہ تمام نقوش اور صور علیہ سے خالی اور مصفا ہے اور اس کے باوجود اس کے علم سے ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز زمین میں یا آسمانوں میں اس سے مخفی نہیں ہے۔

اس قدر مکشوف ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا علم کسی معلوم سے تعلق پیدا کرتا ہے اور اس تعلق سے معلوم کی ایک صورت الگ ہو جاتی ہے اور اس علم سے قیام پیدا کرتی ہے بغیر اس کے کہ علم میں حصول پیدا کرے اور چونکہ علم کے تعلق سے معلوم کی ایک صورت متضرع ہوتی ہے اور علم بلکہ عالم سے قیام پیدا کرتی ہے تو یہ بات درست ہو جاتی ہے کہ وہ علم حصولی کے قبیل سے ہے اور جب صفت علم اللہ تعالیٰ کی ذات میں مندرج کلمات سے تعلق پیدا کرے گی تو لازماً ان کلمات سے اس تعلق کی وجہ سے علمی صورتیں الگ ہوں گی اور علم سے قیام پیدا کریں گی اگرچہ ان کا مکمل حصول علم میں ثابت نہیں ہوتا۔

سوال :- ان صور علیہ کا قیام تم نے صفت علم سے پیدا کیا ہے لیکن معلوم نہ ہوا کہ ان صورتوں کا مکمل ثبوت کونسا ہے معنی کو مبسوط کر میں کے ساتھ قیام سے چارہ نہیں ہے اسی طرح علیت میں سے بھی مسکو چارہ نہ ہوگا؟

جواب ۱۔ ہاں معنی کو عین کے ساتھ قیام سے کوئی چارہ نہیں ہے لیکن اس کے لئے عمل کے اثبات کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ معنی کے لئے اثبات عمل سے مقصود اس کے قیام کا اثبات ہے نہ کہ قیام پر کوئی امر زائد۔ جبکہ جواسر مجرودہ ممکنہ میں جو کہ ان صور علیہ کے لئے ظلال کی طرح ہیں اور وہ صور ان جواسر کے تعینات کے مبادی ہیں فلاسفہ نے کہا ہے کہ ان کے لئے کوئی فعل اور مکان ثابت نہیں ہے بلکہ کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر ان جواسر مجرودہ کے اصول کا عقل نہ ہو تو کوئی تساقبت ہے؛ ان صور علیہ کو اعراض کی طرح تصور نہ کرو جو کہ غیر کے ساتھ قیام رکھتے ہیں اور اعراض پر قیاس کرتے ہوئے ان کے عقل کے اثبات میں نہ پڑنا کہ یہ صور علیہ اصول بلکہ تعینات جواسر کے مبادی ہیں کہ اعراض کا قیام ان سے ہے تو اعراض کی کیا حیثیت ہے بلکہ علم اعراض میں بھی کہتے ہیں کہ ان کے لئے اثبات عقل کا مقصود ان کے قیام عقل کے ساتھ اثبات ہے نہ کہ عقل مستقل طور پر مقصود ہو۔

تحقیق یہ ہے کہ یہ صور علیہ مرتبہ واجب میں موجود ہیں کہ عقل و مکان کی وہاں کوئی گنجائش نہیں ہے اور قیام کے سوا اس جگہ کوئی چیز مقصود نہیں ہے
اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقیہ جو کہ ذات قدس کے ساتھ قیام رکھتی ہیں وہاں کوئی حالت و محلیت موجود نہیں ہے اور ثبوت ذہنی و خارجی جو کہا ہے وہ مرتبہ امکان میں تقسیم یافتہ ہے کیونکہ اس بارگاہ میں نہ خارج کو گنجائش ہے اور نہ علم کو۔ جب وجود کو اس بارگاہ میں کوئی دخل نہ ہوگا تو وجود ذہنی اور خارجی کو جو اس کی قسمیں ہیں اس جگہ کیا مجال ہوگی اور علم اور خارج وجود کی ظرفیت کو وہاں کیا گنجائش ہوگی پس یہ صور علیہ ثابت ہوں گی اور علم کی صفت سے قائم ہوں گی اور کوئی ثبوت علمی و خارجی ان کو مستحق نہ ہوگا بلکہ وجود علمی و خارجی ان کے لئے عام ہوگا کیونکہ وہ امکان کی صفات اور حدوث کی علامات سے ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہر ایک ممکن حادث ہے اور مرتبہ واجب وجود میں اگرچہ وجود ثابت ہوا ہے لیکن اس وجود کے لئے ظرفیت خارج و علم پیدا نہیں ہوئی کیونکہ ظرفیت اور منفردیت کو اس جگہ مجال نہیں ہے اچھی طرح سنو کہ صورت معلوم نفس علم سے عبارت ہے اس کا علم میں حصول اور حلول کا کیا معنی ہوگا

پچھلے صوفیہ کلام نے کہا ہے کہ صور علیہ جو کہ اعیان ثابتہ سے عبارت ہیں اور ممکنات کے حقائق ہیں ان کا ثبوت خانہ علم میں ہے اور بس اور خارج علم میں ان کے وجود کی کو بھی نہیں پہنچی ہے لیکن ان صور علیہ کے محکوس جب ظاہر وجود کے آئینہ ہیں کہ اس کے سوا خارج میں کوئی چیز موجود نہیں ہے پڑتے ہیں تو مزہ تم بتاتا ہے کہ وہ صور خارج میں موجود ہیں اس صورت کی طرح کہ جب وہ آئینہ میں منعکس ہوتے ہیں تو وہم ہوتا ہے کہ وہ صورت آئینہ میں ہے۔

اے کاش! میں سچ سنا کر ان بڑے لوگوں کی مزا دیکھا ہے اور علم میں صُور کے حصول کا کیا مطلب ہے اور صُور شہادت میں صرف نفسِ علم ہے اور غائب میں اللہ تعالیٰ کا علم انہی قدیم - بسیط و صافی ہے جو معلوماتِ حکفہ سے متعلق ہوا ہے اور اس کے تعلق سے ان معلومات کی صُورِ مستندہ متمیزہ حاصل ہوئی ہیں بقیر اس کے کہ اس کے انہی علم میں ان کا حصول و حلول ثابت ہو اور اس میں صُورِ مستندہ کا حلول کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ مستقیم ہے تبہض اور تجرّی اور محل کی تقسیم اور کسی چیز کو کسی چیز کے جزو فرض کھینے کو اور یہ ترکیب کا موجب ہے جو کہ قدم اور ازلیت کے سانی ہے

عجب معاملہ ہے کہ فلاسفہ معلوم کی صورت حاصلہ کو ذہن میں ثابت کرتے ہیں اور اس کے حلول کو ذہن میں جانتے ہیں نہ کہ علم میں کیونکہ وہ صورت ان کے نزدیک عینِ علم ہے نہ کہ علم میں حلول کرنے والی، اور متاخرین صوفیہ کی عبارت سے ابتداء بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت کا حصول علم میں ہے جس کو باطن وجود کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی پتہ جانتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ یہ صورت علیہ جو کہ صفتِ علم کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کے ذاتی کمالات میں مندرج ثابت ہوتی ہیں۔ نظرِ کشفی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حیوۃ اور علم ثابت ہے اور انکشاف جو علم حضوری کے مناسب ہوتا ہے ان کو ان کمالات کی نسبت سے جو ان میں داخل ہیں ثابت ہے جیسا کہ اس بحث کی تحقیق ایک مکتوب میں تفصیل سے بیان کر دی ہے اگر اس معرفت کی غرابت کی وجہ سے کوئی پوشیدگی رہ جاتے اور ضرورت محسوس ہو تو اس جگہ رجوع کریں۔

اور جب بیانِ سابق سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اور اس کی صفاتِ مقدسہ ایک ہی مرتبہ میں موجود ہیں اور صفات کی نیابتی کے وجود سے کوئی تعین اور کوئی تنزیل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیدا نہیں ہوا ہے تو جان لیں کہ اس مرتبہ مقدسہ کا جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مع الصفات کا مرتبہ ہے، مرتبہ ثانیہ میں بے ثابۃ تغیر و تبدل پہلا نمود ہے اور وہ اس حقیر کے نزدیک از روئے کشف و شہود یقیناً حضرت وجود کا مرتبہ ہے جو کہ غیر محض اور کمالِ خالص ہے اور تمام کمالات کے نمود کی بطریقِ تعینیت قابلیت رکھتا ہے اور غیر وجود کو یہ دولت میسر نہیں ہے لہذا اگر کوئی علم اس مرتبہ مقدسہ سے متعلق ہو اور اس کے کمالات کا استزاع کرے جیسا کہ گزر چکا ہے تو یقیناً سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے منزع ہوگی وہ حضرت وجود ہوگا اور دوسرے کمالات اس کے توابع ہوں گے۔

یہی وجہ ہے کہ صرف اہلِ ایک بہت بڑی جماعت نے وجود کو عین ذات تصور کیا ہے اور تعین وجود کو لا تعین جانا ہے اور اس تعینِ اسبق کا ثبوت علم و خارج سے الگ ہے جیسا کہ اس معنی کی تحقیق کئی جگہ پر ہو چکی ہے اور یہ حضرت وجود بطریقِ تخلیق تمام کمالات ذاتیہ و صفاتیہ کا اجمالاً جامع ہے اور اس مرتبہ جامعِ اجمالیہ کی تنسیب ہے

کہ جسے تعین ثانی کہانی سکتا ہے۔ سب سے پہلی چیز جس نے مرتبہ تفصیل میں ثبوت پیدا کیا وہ حیروۃ کی صفت ہے جو تمام صفات کا اصل ہے اور یہ صفت حیروۃ گویا کہ اس صفت حیروۃ کا خلق ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے مرتبہ میں ثابت ہے اور ”نہ وہ ہے اور نہ وہ اس کا غیر ہے“ اس کے حق میں ثابت ہے اور یہ خلق جب ایسے مرتبہ میں پیدا ہوا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے مرتبہ سے الگ ہے تو یقیناً ”نہ اس کا غیر ہے“ اس کے حق میں ثابت نہیں ہوگا اور وہ غیرت کے واضح سے واضح رہے اور صفت حیروۃ کے بعد صفت علم بطریق ظہلیت جیسا کہ صفت حیروۃ میں گذرا ہے ثابت ہے اور یہ صفت تمام صفات کی جامع ہے

اور صفت قدرت اور ارادہ وغیرہ باوجود استقلال کے گویا کہ اس کے اجزاء ہیں کیونکہ اس صفت کو اللہ تعالیٰ سے اس طرح کا اتحاد ہے کہ اس کے غیر کو نہیں ہے کیونکہ علم حضوری کی صورت میں علم اور عالم اور معلوم کا اتحاد ہے اور قدرت ہرگز قدر اور مقدور سے متحد نہیں ہے اور ارادات میں جرد و مقدوروں میں سے ایک کو ترجیح ہے اس میں بھی یہ اتحاد ثابت نہیں ہے علیٰ ہذا القیاس

اور اس فقیر کے نزدیک مبادی تعین حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ السلام تعین اول ہے۔ جو کہ تعین وجودی ہے اور اس تعین کا مرکز جو کہ اس کے اجزاء میں سے اشرف ہے وہ حضرت خاتم الرسل علیہ وسلم علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا سبب تعین ہے جیسا کہ اس بحث کی تحقیق ایک مکتوب میں تفصیل سے ذکر ہو چکی ہے اور چونکہ حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت اسرائیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ولایت ہے تو یقیناً حضرت اسرائیل کا مبادی تعین بھی یہی تعین وجودی ہوگا علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور ہر پیغمبر اور ہر رسول کا مبادی تعین اصل میں اس تعین اول وجودی کے حصص میں سے ایک حصہ ہے اور اگر کسی کو امتوں میں سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی برکت سے اس تعین اول وجودی کے کچھ حصہ ہوا اور حصہ یا نقطہ اس تعین کے حصص یا تقاضا میں سے اس شخص کا مبادی تعین ہو تو جائز ہے بلکہ واقع ہے اور جب تک اس تعین میں سبب تعین پیدا نہ ہوا اس وقت تک بالاصل اللہ تعالیٰ کی ذات تک وصول کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اور علیہ السلام کے ملائکہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں ان کے مبادی تعینات بھی اسی تعین وجودی میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تک وصول اسی سے وابستہ ہے جانا چاہیے کہ یہ صفت علم جو کہ مرتبہ تفصیل میں تعین وجودی میں پیدا ہوا ہے اگرچہ یہ حصہ ہے اس تعین وجودی کے حصص میں سے لیکن چونکہ وہ جامعیت رکھتا ہے تو گویا کہ نفس وجود کی طرح اس تعین کے تمام حصص کا جامع ہے اور اس کا اجمال بھی ہے اور تفصیل بھی اجمال مرکز وائرہ کا حکم رکھتا ہے اور تفصیل محیط کا حکم پس اس تعین علی کا

مرکز جو اجمال ہے گویا کہ اس تعینِ اول وجودی کے مرکز کا نقل ہے اور اس تعلق کی وجہ سے ایک جماعت نے یقین کر لیا ہے کہ حضرت خاتمِ الرسل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا مبداء تعین حضرت علم کا اجمال ہے نہیں بلکہ یہ اجمال آپ کے مبداء تعین کا نقل ہے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ تعینِ اول وجودی کا مرکز ہے جیسا کہ گذر چکا اور پھر اس اجمالِ علم کو تعینِ اول بھی کہا ہے اور مرتبہ فوق کو لا تعین ہانا ہے اور عین حضرت وجود کجا ہے ہاں عین وجود ضرور ہے لیکن تعین سے منسوب ہے جیسا کہ گذر چکا۔

پر مشیدہ نہ رہے کہ تعینِ اول اگرچہ اس میں مستدرج حصص انبیاء کرام اور ملائکہ علیہم السلام عظیم علیہم السلام و التسلیمات کے مبادی تعین ہیں لیکن چونکہ اس مرتبہ میں اجمال ثابت ہے اس لئے ہر ایک کے مبادی علیہہ علیہہ تفصیل سے معلوم نہیں ہوتے اور ان کو کسی نام سے متنبی نہیں کہا جاسکتا۔ اور جب اس میں تفصیل پیدا ہوگئی تو ہر ایک کے مبادی الگ ہو گئے اور ان کا نام بھی علیہہ ہو گیا مثلاً اس تعینِ اول وجودی کا ایک حصہ اسم الحیوۃ ہے اور دوسرا حصہ اسم العلم ہے علی ہذا اتقیاس اور ایسا مشہود ہوتا ہے کہ اسم الحیوۃ اپنی جامعیت کی وجہ سے ملائکہ علیہم السلام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا مبداء تعین ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ حضرت روحِ اللہ کو جو کہ مناسبتِ علّی سے رکھتے ہیں اس مقام سے علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مدی علیہ الرضوان چونکہ حضرت روحِ اللہ سے ایک خاص مناسبت رکھتے ہیں اس علم کے مبداء میں جاننا چاہیے کہ صفات ثانیہ میں سے جس صفت نے بھی مرتبہ تعینِ ثانی میں تفصیل پائی ہے وہ ہر ایک پیغمبر بزرگ مقتدا کا مبداء ہے۔ چنانچہ علم مثلاً حضرت خاتمِ الرسل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا مبداء ہے اور قدرت حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء تعین ہے اور تکوین حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء تعین اور ان اسماء کلّیہ مقصدہ کے جزئیات باقی انبیاء کے مبادی تعینات ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام ان بزرگواروں میں سے ہر گز وہ جو کسی خاص اسم سے مناسبت رکھتا ہے اور کسی خاص مقتدا نبی سے نسبت رکھتا ہے تو ان کو اس اسم کے جزئیات سے جو کہ ان کے مبادی تعینات میں مناسبت ہے ادا اولیاء جو کہ مقتدا پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کے قدر پر ثابت ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام تو ان کے مبادی تعینات اس اسم کے جزئیات کے جزئیات میں جو کہ اس پیغمبر کا مبداء تعین ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور اسی طرح تمام مومنوں کے تعینات اس اسم کے جزئیات کے جزئیات میں جو کہ اس پیغمبر کا مبداء تعین ہے کہ یہ اس کے قدم پر ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اور کفار کے مبادی تعینات اسمِ فضّل سے تعلق رکھتے ہیں اور ان مبادی مذکور سے علیہہ ہیں اور جب ممکنات کے مبادی تعینات معلوم ہو گئے تو اب یہ جان لو کہ وجوب کا نام دائرہ ان تعینات کے انتہا تک ہے اس کے گذر جانے سے دائرہ ممکنات کا شروع ہے اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے جب چاہا کہ اپنے

کمال کرم اور اپنا احسان سے اپنے فیوض و انعامات کو دوسروں کو عطا فرمائے اور گنج بخشی کرے تو اس نے مخلوق کو پیدا کیا اور اپنے وجد اور توالی وجود کے کمالات ان کو بخشے بغیر اس کے کہ اس جگہ سے کوئی چیز جدا ہو اور اس جگہ خلق پر جائے کہ وہ نقص کے علامات سے ہے اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہیں۔ پیدا کرنے کا مفصل احسان انعام ان کو عطا کرنا ہے نہ کہ ان کے ذریعہ سے اپنے اسمانی و صفاتی کمالات کو منتقل اور پورا کرنا عطا و کلا۔ اسما و صفات اپنی ذات میں کامل ہیں اور غور اور مظهر کی ان کو کوئی محتاجی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں تمام کمال بالفعل حاصل ہیں نہ کہ بالقوة کہ ان کا حصول کسی امر سے وابستہ ہو۔

اگر مشہور و مشاہدہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں خود بخود ہے اور اگر علم و معلوم ہے تو بھی خود عالم اور خود معلوم ہے اور اسی طرح خود حکم ہے اور خود سامع ہے اس جگہ تمام کمالات مفصل اور متمیز ہیں لیکن بعنوان بے چونی کچھ نہ چوں کہ بے چوں میں کوئی راہ نہیں ہے مخلوق کی کیا حیثیت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کا آئینہ بن سکے۔

دیکھ کہ امام آئینہ آید او

اور عالم کی کیا حیثیت ہے کہ اس اجمال کی تفصیل کرے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عین اجمال میں تفصیل ہے اور عین تنگی میں وسعت ہے اور چونکہ تفصیل و وسعت اس جگہ بے چوں ہے لہذا متوہم ہوتا ہے کہ اجمال کو تفصیل دیکھا رہے جو کہ خلق عالم سے وابستہ ہے اور اس اجمال کی تکمیل اس تفصیل سے ہے اور حقیقہ ہے کہ اس جگہ اجمال بھی ہے اور تفصیل بھی، جیسا کہ پہلے گزر چکا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔

جاننا چاہیے کہ اس عالم کی پیدائش ایسے مرتبہ میں واقع ہوئی ہے کہ اس کو اس مرتبہ مقدمہ سے کوئی مزاحمت اور مخالفت نہیں ہے دو موجود میں سے ایک کا وجود اگرچہ دوسرے کے وجود کی تجدید کا تقاضا کرتا ہے لیکن یہ قاعدہ اس جگہ مفقود ہے کہ وجود عالم نے اس مرتبہ مقدمہ سے کوئی حد اور کوئی نہایت پیدا نہیں کی ہے اور کسی نسبت اور جہت کا اثبات نہیں کیا ہے وہ صورت جو آئینہ میں متوہم ہوتی ہے اس کا ثبوت مرتبہ دوم میں ثابت ہے اور اس ثبوت کو ثبوت زید سے کوئی مزاحمت اور کوئی مخالفت نہیں ہے جو کہ اس صورت کا اصل ہے اور اس صورت کے ثبوت نے کوئی حد اور کوئی نہایت اپنے اصل کے ثبوت میں پیدا نہیں کی ہے اور کوئی نسبت اور کوئی جہت حاصل نہیں کی ہے۔ عالم کا وجود اس صورت کے وجود کی طرح ہے جو مرتبہ دوم میں ثابت ہے اور اپنے اصل سے کوئی مزاحمت نہیں رکھتی جو کہ خالق میں موجود ہے اور اس صورت کے بھی ثبوت سے کوئی حد اور نہایت اور جہت اس ثبوت خارجی میں جو کہ اس صورت کا اصل ہے پیدا نہیں

لے وہ کون سے آئینہ میں ساکتا ہے ۱۲

ہوئی وَ لِلّٰہِ اُنْشُلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ کے لئے بندخل ہے)

اس تحقیق سے اس بات کی حقیقت معلوم ہوگئی جو کہ ہے کہ عالم مرتبہ وہم میں ثابت ہے یعنی عالم نے اس مرتبہ میں پیدائش حاصل کی ہے کہ وہ مرتبہ مرتبہ وہم کے مشابہ ہے جو کہ آئینہ میں شمس ہونے والی صورت کے لئے ثابت ہے اپنے اصل کی نسبت سے جو کہ خارج میں موجود ہے۔ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ وجود خارج کا اطلاق بھی اس مرتبہ مقدسہ میں تشبیہ و تنظیر کے قبیل سے ہے کہ خارج کو بھی اس جگہ گنجائش نہیں ہے اور جب وجود بھی اس مرتبہ مقدسہ میں کوتاہی کرے تو خارج کیا ہے نہ کہ وہ وجود کی شاخ اور اس کی قسم ہے۔

حافضہ حسنہ : یہ تمام مبادی تعینات جو مذکور ہوئے وہ خرافہ تعین وجودی جمعی سے ہوں یا تفصیلی سے یہ اس دنیاوی پیدائش کے ممکنہ موجودات کی نسبت سے ہیں اور اس پیدائش کی موجودات کا وجود و تشخص ان مبادی عالیہ سے وابستہ ہے۔ لیکن موجودات اخرویہ مشہود ہوتا ہے کہ مبادی مذکورہ سے وابستہ نہیں ہیں بلکہ ان کے مبادی تعینات امور دیگر ہیں اور وہ امور اس فقیر کے نزدیک کمالات ذاتیہ ہیں کہ ان کے پاک و امن پر ظلیت کی گرد نہیں پہنچی ہے اور وہ اس مرتبہ اقدس میں اندراج رکھتے ہیں بلکہ اس مرتبہ مقدسہ میں مفصل اور مزید ہیں لیکن تفصیل اور تیز بے چونی ہے۔

وہ کمالات مضمونہ ذاتیہ مقدسہ کہ ان میں ہر ایک اخروی پیدائش کی موجودات سے کسی موجود کا مبداء تعین ہے تو گو یا کہ اہل ہیئت کو ان تعینات وجود جمعی اور تفصیلی سے جو کہ دنیوی پیدائش سے تعلق رکھتے ہیں کوئی تعلق نہیں ہے اور اس پیدائش کی موجودات دائرہ کا کیا بیان کر دل کہ اس مرتبہ مقدسہ سے وہ کیا کیا حقے اور حظ رکھتے ہیں۔

فَہَیْہِ لَا رَیْبَ النَّعِیْمَ نَعِیْمُہَا

وَمِنْ بَعْدِ ہَذَا مَا یَبْدِیْ صِفَاتُہَا وَمَا لَکُمۡہَا اَحْظٰی لَدَیَّ رَاجِمٌ

اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ والسلام علی من اتبع الهدی

مکتوب نمبر ۱۱۵

عزیزان پناہ میرزا حاسم الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

(ان کے سوالات کے جوابات کے متعلق)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اس ملاحظہ کے فقرہ کے حالات قابل تعریف

لئے ثمت داروں کو ان کی غمیں نہ ہو کہ ہوں ۱۲۔ کہ اور اس کے بعد ایسی چیز ہے جن کا بیان نہایت دقیق ہے اور اس کا چھپنا میرے نزدیک کثافت بخش اور کٹا ہوا ہے۔

ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جناب سے ہماری سلامتی اور عافیت کی دعا ہے۔

آپ کے گرامی نام سے جو آپ نے اذ روئے شفقت و مہربانی اس فقیر کے نام لکھا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا آپ نے شوق کا اظہار فرمایا تھا کہ حرمین شریفین میں سے کسی ایک میں اپنے متعلقین کے ساتھ اقامت اختیار کر دوں اور وہیں مدفون ہوں۔

میرے مخدوم و مکرم متعلقین کا جانا نظر میں نہیں آتا بلکہ نزدیک ہے کہ ان کی ممانعت معلوم ہو اگر آپ تنہا جائیں تو میرے دیکھنے میں اچھا ہے اور امید ہے کہ آپ سلامت پہنچ جائیں گے اور معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

پھر آپ نے کچھ سید صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ طبیب ان کی تکلیف کا فیصلہ کرتے ہیں میرے مخدوم شفقت آثار اس فقیر کی نگاہ میں اگرچہ غصہ سے دیکھا جائے کوئی تکلیف اس مکان میں معلوم نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ ایک تاریکی سی اس جگہ محسوس ہوتی ہے جو اس ضرر کی تاریکی کے علاوہ ہے معلوم نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ مختصر یہ کہ طبیب جو وجہ بیان کرتے ہیں وہ نہیں ہے اور جو تاریکی ہے وہ کسی اور وجہ سے ہے اور صلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

اور میرے فرزند محمد سعید بیت کمزور ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ کی تشریف اور احسان ہے کہ اب رُوحِ بصمت ہیں اور عافیت سے ہیں آپ سے دعا کی درخواست ہے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک خواجہ کمال الدین حسین اپنے بھائی بہنوں سمیت اخیر زمانہ کے صدقات سے محفوظ رہیں اور میرے مخدوم زراگان کرام ظاہر اور باطنی جمعیت سے آراستہ رہیں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۱۱۶

خواجہ ابو الکلام کی طرف صادر فرما

(مخلوق خداوندی کی خدمت گزاری کی ترغیب کے بیان میں)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ خدا اعمدال اور مرکز عدالت پر استقامت عطا فرمائیں کتنی بڑی دولت ہے کہ اللہ تعالیٰ عطیات کے بخشنے والے اپنے کسی بندے کو بعض فضائل اور بزرگیوں سے مخصوص فرمائیے۔ اور اپنے بندوں کی ایک جماعت کی حاجتوں کی کنجی اس کے تصرف کے ہاتھ کے حوالہ کر دیں اور اس کو اس جماعت کا عباد و مابئی بنادیں۔

کتنی بڑی نعمت ہے کہ اپنی مخلوق کی ایک جماعت کو جن کو اپنے کمال کرم سے اپنا عیال فرمایا ہے اس کے ساتھ وابستہ کر دے اور ان کی تربیت اس کے سپرد کر دے بڑا خوش قسمت ہے جو اس دولت کا شکریہ ادا کرے اور بڑا ہوشیار ہے جو اس نعمت کے شکریہ کی طرف توجہ کرے اور اپنے مالک کے عیال کی خدمت گاری کو اپنی خوش قسمتی سمجھے اور اپنے مالک کے غلاموں اور نوادوں کی تربیت کو اپنی بزرگی خیال کرے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تعریف ہے کہ اُس علاقہ کے لوگ آپ کے اچھے تذکرہ سے رطب اللسان ہیں اور آپ کے کرم و احسان کی باتیں اپنی زبان پر لاتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۱

مریٹا شیخ غلام محمد کی طرف صادر فرمایا

(اس آیت کریمہ کے بیان میں اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَیْذِکْرٰی الفیہ اور دوسرے اقتضات کے بیان میں) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰ۔ شیخ اہل قدس سرہ نے اپنی کتاب العوارف کے دوسرے باب میں اس آیت کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:-

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَیْذِکْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْفِی السَّمْعِ وَهُوَ شَیْءٌ۔ اس میں اس آدمی کے لئے نصیحت ہے جس کا دل بوجہ حاضر طبیعت سے کان لگائے۔

”ابو بکر واسلی نے کہا ہے یہ ایک مخصوص قوم کے لئے نصیحت ہے سب لوگوں کے لئے نہیں اور وہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَوْفَنَ كَانَ مِثْنًا فَاَحْیٰیہَا“ (کیا وہ شخص جمودہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا، واسلی نے یہ بھی کہا ہے کہ ”مشاہدہ ذہول پیدا کرتا ہے اور حجاب سمجھ لاتا ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز پر تکی کرتے ہیں تو وہ جھک جاتی ہے اور دیکھ جاتی ہے۔“

شیخ صاحب العوارف نے کہا اور جو کچھ واسلی نے کہا ہے وہ کچھ لوگوں کے حق میں صحیح ہے اور یہ آیت کچھ دوسرے لوگوں کے لئے اس امر کے خلاف فیصلہ کرتی ہے اور وہ ہیں ارباب تمکین ان کے لئے مشاہدہ اور فہم دونوں اکٹھے ہر جاتے ہیں۔ معنی نہ رہنا چاہیئے کہ جو کچھ واسلی نے پہلے کہا ہے وہ دلائل کرتا ہے کہ نصیحت اہل تمکین کے لئے ہے خصوصاً کیونکہ وہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد زندہ کیا ہے یعنی ان کو فنا کے بعد بقا سے مشرف کیا ہے اور اہل تمکین کے لئے نہ فنا ہے نہ بقا اور ان کو دوسری زندگی عطا ہوئی ہے کیونکہ وہ وسط طریق میں ہیں اور فنا و بقا انتہا کے احوال ہیں اور ان کا دوسرا قول اگر انہوں

نے آیت کے بیان میں کہا ہے تو لولت کرتا ہے کہ نصیحت حجاب اور پوشیدگی کی حالت میں اہل تعویذ کے لئے ہے نہ کہ مشاہدہ اور مکاشفہ کے وقت کیونکہ وہ نسیان کا وقت ہے تو یہ قول آپ کے پہلے قول کے منافی ہے اور اگر آپ نے اس معرفت کو اپنے توسط حال میں کسی اور مقام پر نہ کیا اس آیت کے بیان میں کہا ہر پھر نہ کوئی منافقا ہے اور نہ شیخ قدس سرہ کو کوئی اعتراض ہے کہ جو واسطی نے کہا ہے وہ کچھ لوگوں کے حق میں صحیح ہے اور وہ اہل تعویذ ہیں اور یہ آیت اس امر کے خلاف کچھ اور لوگوں کے لئے فیصلہ کرتی ہے اور وہ ارباب تکلیف ہیں کیونکہ واسطی نے آیت کے معنی میں بیان کیا ہے کہ نصیحت ارباب تکلیف کے لئے مخصوص ہے کیونکہ وہی موت کے بعد زندہ ہوئے میں ذکر اہل تعویذ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ نے اہل تعویذ کے احوال میں ایک مستقل معرفت کا بیان کیا ہے جس کا آیت کے بیان سے تعلق نہیں ہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ وہ آیت کے حکم کے خلاف کہتے ہیں اس لئے کہ آیت ایک قوم کے حق میں وارد ہوئی ہے اور یہ معرفت ایک دوسری قوم کے احوال کا بیان ہے اور اگر واسطی نصیحت کو ارباب تکلیف میں اہل تکلیف سے مخصوص نہ کرتے اور نصیحت کو اہل تعویذ کے لئے بھی ان کی حالت اجتناب میں اپنے دوسرے قول سے ثابت کرتے تو آپ کے دونوں قولوں میں کوئی منافقات نہ ہوتی اور نہ ہی شیخ کا اعتراض ان پر وارد ہوتا۔

اور میرے نزدیک ظاہری طور پر اس آیت میں دونوں فریق کے حال کا بیان ہے ”جس کا دل ہے“ اور ارباب غلبہ میں جن کے احوال بدلتے رہتے ہیں اور وہ اصحاب تعویذ ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول اَوَّلُ النَّفْسِ السَّمْعِ وَهُوَ شَرْهِيذٌ یہ اہل تکلیف کے حال کا بیان ہے کیونکہ انہوں نے عین شہود کی حالت میں فہم کے لئے اپنے کان رکھے ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ پہلی قوم کے لئے نصیحت بعض اوقات میں ہے اور دوسری قوم کے لئے تمام احوال میں جیسا کہ تمہیں معلوم ہے اور اگر شیخ قدس سرہ اس طرح کہتے، کہ یہ آیت اس امر کے خلاف ایک دوسری قوم کے لئے ”بھی“ فیصلہ کرتی ہے تو زیادہ مناسب ہوتا اور کلہ او منع خلو کے لئے ہے وہ نصیحت میں فریقین کے جمع ہونے کے منافی نہیں ہے۔

پھر شیخ نے اس کے بعد کہا ہے کہ فہم کا مقام محادثہ اور مکالمہ مکمل ہے اور وہ ہے دل کا مستند اور مشاہدہ کا مقام دل کا دیکھنا ہے پھر جو آدمی حال کے شکر میں ہو اس کے کان اس کی آنکھوں میں گم ہو جاتے ہیں اور جو صحو اور تکلیف کی حالت میں ہو تو اس کے کان اس کی آنکھوں میں گم نہیں ہوتے کیونکہ وہ حال کی پیشانی اپنے اختیار میں رکھتا ہے اور وجودی آلہ سے جو کہ بات سمجھنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے سمجھتا ہے کیونکہ فہم والہام اور سماع کا مورد ہے اور الہام اور سماع وجودی آلہ کے خواہاں ہیں اور یہ جو وجود مطاع کیا

جاتا ہے۔ یہ مقام صبر میں تلکون کے لئے دوسری مرتبہ عطا کیا جاتا ہے اور یہ وجود اس وجود کے علاوہ ہے جو مشاہدہ کے نور کے چمکنے کے وقت اس آدمی کے لئے جو فنا کے راستہ سے بقا کے مقام تک پہنچا جائے لاشے ہو جاتا ہے۔ انتہی،

تو مومن فہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت اور مکالمہ کا مثل ہے اس کے کان اس کی آنکھوں میں لگ جاتے ہیں یعنی وہ مشاہدہ کے وقت سمجھ نہیں رکھتا اور وہ اہل تلوین کا حال ہے مشاہدہ کے وقت اُن کو نسیان ہو جاتا ہے جیسا کہ واسطی نے کہا ہے اس کے کان اُس کی آنکھوں میں لگ نہیں ہوتے یعنی وہ عین مشاہدہ کی حالت میں بھی سمجھتا ہے اور یہ اہل تلکون کا حال ہے جو مشاہدہ اور فہم کو جمع کرتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا اور لَیْقَ حَازِجٌ گزرا جاتے) یہ آپ کے قول مَوْهُوْبًا سے متعلق ہے یعنی عطا کیا جاتا ہے اس آدمی کو جو فنا سے گزر جائے اور بقا تک پہنچ جائے۔ یہ تو حقیقی نہیں ہے کہ اہل تلوین میں مشاہدہ کا کیا معنی ہے؛ اور مشاہدہ ذات میں ہوتا ہے جیسا کہ انہوں نے کہا ہے اور وہ ابھی ذات تک نہیں پہنچا ہے تو اس کے حق میں صفات متخیلہ متکونہ کا مکاشفہ بہتر ہے اور جو مکاشفہ ذات میں ہے اس میں تلوین ہے نہ تئیر اور اس مقدس مرتبہ میں ایسا نہیں ہوتا کہ کبھی نسیان ہو اور کبھی شعور، بلکہ عین ذہول میں بھی شعور ہے اور نفس شہود میں بھی فہم ہے۔

اور شیخ قدس سرہ کے ظاہر کلام سے دل کی آنکھوں سے دنیا میں مشاہدہ کا وقوع جائز معلوم ہوتا ہے اور صاحب تعارف (کلا بازی) قدس سرہ نے جو کہ صوفیاء کے ایمان میں اللہ تعالیٰ کی دل اور آنکھ سے رویت کو ناممکن کہا ہے اور اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اس نے کہا ہے اور انہوں نے اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں آنکھوں سے دیکھے جاسکتے ہیں نہ دل سے مگر یقین کی جہت سے اور جو کچھ صاحب تعارف قدس سرہ نے کہا ہے وہ میرے نزدیک صواب سے زیادہ قریب ہے بلکہ وہی صواب ہے کیونکہ متخیل بہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے جو دیکھا جا رہا ہے تو وہ صرف خیال کی رویت ہے یعنی یقین کے لئے خیال میں صورت کا کشف ہے جو دل کو حاصل ہوتا ہے اور موقن بہ (جس کا یقین کیا گیا ہے) کی بھی ایک صورت ہے جس کا دل پر کشف ہوتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے مثال کو جائز رکھا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی مثال نہیں ہے۔ خَلَقَ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ اور خیال میں یقین اور موقن بہ صورت کی نقش ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی فی الواقع کوئی صورت نہیں ہے اس لئے کہ ممانی جو دل کو حاصل ہوتے ہیں اور تمام لطافت کے لئے بلکہ ہر چیز جو پائی جاتی ہے یا پائی جائے گی اس کے خیال میں ایک صورت ہے جو کہ عالم مثال کے مشابہ ہے جو کہ تمام عوالم سے زیادہ وسیع ہے پس اس جگہ صرف دل کا یقین ہے اور یقین کی صورت ہے اور موقن بہ کی صورت ہے جو کہ خیال میں صورت رویت اور صورت مرئی کی مثال ہے اور حقیقت میں دل کے لئے اللہ تعالیٰ کی رویت

نہیں ہے چہ جائیکہ آنکھ کے لئے رویت ہو وہ صرف دل کے لئے مثال صورت ہے جو کہ رویت کی صورت میں اس کا یقین متحمل ہوا ہے اور موقع نہ مرنے کی صورت میں متحمل ہوا ہے پس سالک خیال کرتا ہے کہ اس نے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے حالانکہ وہ صرف ایک خیالی رویت ہے۔

بلکہ ہم قویہ کہتے ہیں کہ موقع نہ مرنے کی صورت اللہ تعالیٰ کی صورت مستلیم نہیں ہے بلکہ وہ ایک کشفی صورت ہے جس کے ساتھ یقین متعلق ہے جو کہ خیال میں ظاہر ہوئی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ اس کی کوئی صورت ہو اگرچہ وہ خیال ہی میں ہو اور سوائے اس کے نہیں کہ وہ سالک کے دل کے بعض کمشوفات کی وجہ و اعتبارات کے لحاظ سے ایک صورت ہے کہ جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اور یہی ہے کہ جب عارف اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچ جاتا ہے تو اس کے لئے ایسے خیالی متحمل نہیں ہوتے پس اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے کوئی صورت نہیں ہے اگرچہ خیال اور مثال میں ہو اور میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کی مثال نہیں ہے جیسا کہ اس کے لئے مثل نہیں ہے کیونکہ صورت حد اور نہایت کو مستلیم ہے اگرچہ مراتب میں سے کسی مرتبہ میں ہو اور اللہ تعالیٰ متحدہ اور تفسید سے پاک ہے اور مقام مراتب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اس کو اچھی طرح سمجھ لے۔

تمام تفسیریں اس اللہ تعالیٰ کو ہیں جس نے ہمیں خیال کا بادشاہ دیا اور اس کو معافی کمال کی صورتوں کے حصول کے لئے آئینہ بنایا اور اگر خیال نہ ہوتا تو ہم کو درجات انصال و درجات انصال کا ادراک نہ ہو سکتا اور نہ ہی ہمیں احوال کی واردات کا علم ہوتا کیونکہ ہر ایک معنی اور حال کی اس میں ایک صورت ہے اگر اس کا کشف ہوجائے تو اس سے اس معنی اور حال کا ادراک ہو سکتا ہے پس سیر و سلوک کے مساقون لطافت کی کیفیت اور ایک سے دوسرے حال میں تبدیل ہونا سوائے خیال کی کیفیت یہ ہے کہ وہ سیر و سلوک کے درجات جو کہ سالک کو حاصل ہوئے ہیں اس میں منقوش صورتوں کے ذریعے دکھاتا ہے اور اس کے دکھانے سے ترقی کی رغبت زیادہ ہو جاتی ہے اور اس کے دکھانے سے یہ فائدہ بھی ہے کہ سیر و بصیرت پر حاصل ہوتی ہے اور سلوک معرفت پر میسر ہوتا ہے اور اس کے غلبہ سے سالک جہالت سے نکل جاتا ہے اور اہل علم سے ہو جاتا ہے سو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے اس کی بھلائی ہے۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔

مکتوب نمبر ۱۱۸

شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب العوارف کے دوسرے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مرفوع حدیث کے بیان میں کہا ہے کہ قرآن کی جو بھی آیت اتری ہے اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، اور ہر ایک حرف کی ایک قدر ہے اور ہر ایک مد کے لئے ایک جھانکنے کی جگہ ہے۔ اور میرے دل میں خیال گزرتا ہے کہ مَطْلَع کا مطلب آیت میں گہرے اسرار اور دقیق معانی پر صفائے فہم کی وجہ سے واقف ہونا نہیں ہے لیکن مَطْلَع یہ ہے کہ ہر آیت کی تلاوت کے وقت قاری کو اس آیت کے کلام کرنے والے کا شہد و حاصل ہو کر یہ کہ اس کی اوصاف میں سے کسی وصف کی اور صفات میں سے کسی صفت کی سپردگی کا وہی مقام ہے تو اس کے لئے آیات کی تلاوت اور ان کے سماع کے وقت تخلیقات نئی سے نئی ہوں گی جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے عظیم جلال کی خبر دینے کے لئے آئینہ کا کام دیتی ہیں اور اس توجیہ اور اس کی تشریح کی تائید میں آخر تک شیخ نے جو کچھ کہا ہے وہ یہی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ ظہر ہے مراد قرآن مجید کا نظم ہے جو کہ مجموعہ کی مد تک پہنچا ہوا ہے اور لہجوں سے مراد صفائے فہم کے اختلاف مراتب پر اس کے دقیق معانی اور گہرے اسرار پر اس کی تاویل و تفسیر ہے اور حد سے مراد کلام کے مراتب کی انتہا ہے اور وہ ہے کلام کرنے والے کا شہد اور وہ ہے تجلی صفاتی جو اللہ تعالیٰ کے عظیم جلال کی جو دیتی ہے اور مَطْلَع وہ ہے جو اس تجلی صفاتی سے اوپر ہے اور وہ ہے تجلی ذاتی جو نسبتوں اور اعتبارات سے خالی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام کی حد اور نہایت کے لئے ایک مَطْلَع ثابت کیا ہے تو مَطْلَع کلام سے اوپر ہوگا، اور اس کی نہایت سے بھی اوپر، اور کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس صفت کے آئینہ میں منظم کا شہد اس صفت کی تجلی ہے اور مراتب کی انتہا اس کا کمال ہے اور اس کی تجلی سے اوپر کی اطلاع اس سے ذاتی تجلی کی طرف ترقی کرنے سے ہوگی تو اس جگہ ذات کی طرف وصول صفت کلام کے ذریعہ اور نظم قرآنی کی تلاوت کے وسیلہ سے ہوگا جو اس صفت پر دلالت کرنے والا ہے تو لازمی طور پر یہاں دو قدم ہوں گے۔ ایک قدم نظم سے لے کر جو کہ مدلول کی طرف دلالت کرنے والی ہے جو کہ صفت ہے اور دوسرا قدم صفت سے موصوف تک ہے۔

عارف شمرانی قدس سرہ لے کہا ہے یہ وہ قدم ہے جہاں تک تو پہنچا اور شیخ قدس سرہ نے صرف پہلے قدم کا ذکر کیا ہے اور اسی سے میر کو پورا کر دیا ہے اور تلاوت کا یہی غائیہ بیان کیا ہے اور اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ پاک ہے تو تیرے بتانے ہوئے کے بغیر میں کسی چیز کا کوئی علم نہیں ہے یقیناً تو تیرے ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔

شیخ شہاب الدین نے اس کے بعد کہا ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ وعن ابائہ الکلام سے یہ

بھی منقول ہے کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ بیوش ہو کر گر پڑے۔ آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں اس آیت کی بار بار تکرار کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے اس کے کلام کرنے والے سے اس کو سنا۔ پھر صوفی کے لئے جب توحید کی پیشانی ظاہر ہو جاتی ہے اور وعدہ اور وعید کے سماع کے وقت وہ کان رکھتا ہے اور دل کو اللہ تعالیٰ کے سوا سے خالص کر لیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر اور شہید ہو جاتا ہے اور تلاوت میں وہ اپنی زبان اور دوسرے کی زبان کو موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے درخت کی طرح پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس درخت سے اپنا خطاب سنا دیا کہ میں اللہ ہوں :-

پھر جب اس کا سماع اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے اور اس کا کان اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے تو اُس کے کان اس کی آنکھیں بن جاتے ہیں اور آنکھ کان بن جاتی ہے اور اس کا علم عمل ہو جاتا ہے اور اس کا عمل علم ہوتا ہے۔ اور اس کا آخر اقل بن جاتا ہے اور اول آخر ہو جاتا ہے یہاں تک کہ انہوں نے کہا جب صوفی اس صفت سے متصف ہو جاتا ہے تو اس کا وقت دائمی ہو جاتا ہے اور اس کا شہود ادبی ہوتا ہے اور اس کا سماع نئے سے نیا اور متواتر ہوتا ہے۔

شیخ کا یہ قول کہ صوفی کے لئے جب توحید کی پیشانی ظاہر ہوتی ہے :- یہ امام رضی اللہ عنہ کے قول کا بیان ہے اور متکلم سے سماع کی شرح ہے کہ صوفی پر جب توحید کے حال کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کی نظر سے غیر کا شہود زائل ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر اور شہید ہو جاتا ہے وہ ایسا محسوس کرتا ہے کہ جب وہ اپنے نفس یا کسی اور سے کوئی کلام سُنتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس نے اس کو اللہ تعالیٰ سے سنا ہے وہ اپنی غیری کی زبان کو موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے درخت کی طرح دیکھتا ہے پس جب امام نے آیت کی تکرار کی تو اس کو اپنے نفس اور اپنی جان سے سُنا یہاں تک کہ تکرار کے اثنا میں توحید کی حالت میں ان کو ایسا معلوم ہوا کہ اس نے اس کو متکلم (اللہ تعالیٰ) سے سُنا ہے اگرچہ وہ ان کی اپنی طرف اور اپنی زبان سے صادر ہوا تو انہوں نے اس وقت اپنی زبان کو موسوی درخت کی طرح پایا تو اس وقت زبان سے ظاہر ہونے والا کلام اس درخت سے ظاہر ہونے والے کلام کی طرح ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا کلام ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی عصمت اور توفیق سے کہتا ہوں کہ موسوی درخت سے سُنا جانے والا کلام یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کا کلام تھا یہاں تک کہ اگر کوئی اس کا انکار کرے تو وہ کافر ہوگا اور زبانوں سے سُنا جانے والا کلام حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے اگرچہ صوفی غلبہ توحید میں یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یہاں تک کہ اگر کوئی اس کا انکار کرے تو وہ کافر نہیں ہوگا بلکہ وہ حق اور صداقت پر ہوگا۔

کیونکہ وہ کلام زبان کی حرکت اور مخارج کے اعتماد سے حاصل ہوئی ہے اور روخت کے کلام میں اس طرح نہیں ہے اور دونوں کلاموں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ پہلا کلام تحقیقی ہے اور دوسرا تعمیلی۔ اور تعجب ہے کہ شیخ اجل قدس سرہ نے توحید میں مبالغہ کیا ہے یہاں تک کہ انہوں نے تعمیلی کو تحقیقی بنادیا اور بندے سے صادر ہونے والے کلام کو غلبہ حال میں اللہ تعالیٰ سے صادر ہونے والا کلام بنادیا۔ اور اپنی کتاب کے کئی ایک مقامات پر توحید والوں نے غلبہ حال میں توحید کے متعلق صادر ہونے والے اقوال کا انکار کیا ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایت پر محمول کیا ہے تاکہ حلول اور اتحاد کا شائبہ پیدا نہ ہو اور اس مقام پر انہوں نے محلول کی آمیزش سے گریز نہیں کیا بلکہ اتحاد اور عنیت کا حکم لگایا ہے۔

اور اس مقام میں حق یہ ہے کہ غلبہ حال میں اتحاد اور عنیت کا حکم تعمیلی ہے تحقیقی نہیں ہے برابر ہے کہ اتحاد ذات میں مہیا صفات میں یا افعال میں، پس پاک ہے وہ اللہ جو حدوث اکوان کی وجہ سے اپنے اسماء اور صفات اور ذات میں متغیر نہیں ہوتا اور نہ اس کے ساتھ کوئی چیز متحد ہوتی ہے اور نہ اس کی صفات کے ساتھ کسی کی صفات متحد ہوتی ہیں اور نہ کس کے افعال اس کے افعال کے ساتھ متحد ہوئے ہیں پاک ہے وہ۔ اللہ اللہ ہی ہے اور ممکن ممکن جو کہ اپنی ذات و صفات و افعال میں حادث ہے اور قدیم اور حادث میں اتحاد کا حکم لگانا عشق کی رنگارنگی اور محبت اور شکر کے غلبات میں تو محلول کے شائبہ اور اتحاد کے منفذ سے جو کہ کفر اور اتحاد کو مستلزم ہے ان پر مواخذہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ان کی مراد نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ ان کی مراد وہ ہر جو اللہ تعالیٰ کی جناب کے لائق نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دوست اور اس کے پیارے ہیں وہ اس سے محفوظ ہیں کہ کسی ایسی چیز کو جائز رکھیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے جائز نہ ہو۔

اور وہ لوگ جنہوں نے حال کے بغیر ان سے مشابہت کی اور بغیر صداقت کے ان کے کلمات میں کلام کیا اور ان کی مراد کے علاوہ ان سے کوئی اور مفہوم سمجھا تو وہ اتحاد اور زندقہ میں جا پڑے یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محلول اور اتحاد کو ثابت کیا اور ممکن کے واجب مہجائے کا حکم لگایا پس یہی لوگ زمینق ہیں اور بحث سے خارج ہیں۔ اللہ ان کو برباد کرے یہ کہ ہر پھر سے جارہے ہیں اور یہ تو نفی نہیں ہے کہ ہر شیخ قدس سرہ نے ائمہ رضی اللہ عنہ کے قول میں بیان کیا ہے اگرچہ یہ اہل تبیین کی قوم میں صحیح ہے جن پر سر کا غلبہ ہے اور ان پر توحید کا حال غالب آچکا ہے لیکن میں اہم کی جلالت شان پر حسن ظن رکھتے ہوئے ان کے اپنے حق میں اس بات کو سچا نہیں سمجھتا کیونکہ وہ میرے نزدیک اکابر ارباب تکمیل

صوت سے ہیں ان پر متخیل متمم سے ملتیں نہیں ہو سکتا اور نہ وہ غیر سے سماع کو اللہ تعالیٰ سے سماع سمجھ سکتے ہیں تو ان کے کلام کے لئے ان کے حال کے مناسب کوئی اچھا فعل تلاش کرنا چاہئے جو اس توجہ کے علاوہ ہو اور وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا کلام بلا کیفیت سننے جیسا کہ برسی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوہ طور پر سنا تھا۔

اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے سننے کا کیا معنی ہے کیونکہ جو سنا جاتا ہے وہ حرف اور آواز ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح نہیں ہے کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ بلا حرف اور آواز کے سُنتے ہیں اور استحالة دہم کی بلا ہمت ہے جو کہ غائب کو شام پر قیاس کرنے سے پیدا ہوئی ہے حالانکہ ان میں فارق موجود ہے اور یہ قیاس کس طرح کیا جاسکتا ہے کیونکہ حاضر و غائب، زمانہ کی تسکلی میں ہے جو ترتیب اور تقدیم اور تاخیر کا مقتضی ہے اور غائب اس پر نہ زمانہ جاری ہوتا ہے اور نہ تقدیم و تاخیر اور ترتیب۔ تو جائز ہے کہ غائب میں کچھ ایسی چیزیں ثابت ہوں جو شاہد میں جائز نہ ہوں اس کو سمجھ لینا چاہئے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی درست بات کو خوب جانیں۔

اور تحقیق یہ ہے کہ سماع اگر کان سے ہو تو لازمی ہے کہ سنا گیا کلام حرف اور آواز کی صورت میں ہو اور اگر سماع سننے والے کے اجزاء میں سے ہر جز سے ہو اور حاتمہ (کلان) سے نہ ہو تو جائز ہے کہ اس کا حصول مسموع (سننے گئے) سے بغیر حرف اور آواز کے ہو بھر ہم لوگ جسم سے سُنتے ہیں اور اپنے اجزاء کے بغیر جو ایسا کلام سننے نہیں جو حرف و آواز کی جنس سے نہیں ہوتا اگرچہ خیال میں حرف و آواز خیال سے متخیل ہوتا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ کلام جو ہمارے پورے جسم سے سنا گیا ہے وہ پہلے حروف اور آواز سے خالی تھا اور پھر دوسرے مرتبہ میں خیال میں اس کے حروف اور آواز خیالی کا لباس پہنا تا کہ فہم اور افہام کے قریب ہو جاتے۔ باوجود اس کے ایک بات کہتے ہیں جو اس سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کلام کو جو حروف اور ترتیب دیئے ہوئے کلمات سے جو آگے پیچھے ہوتے ہیں مرکب ہوتا ہے سُنتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا سماع بغیر حروف اور کلمات کے واسطے سے ہوتا ہے اور اس میں ترتیب اور تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی کیونکہ کلام جو مرکب اور ترتیب اور تقدیم و تاخیر والا ہوتا ہے وہ زمانہ کا انقضا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر زمانہ جاری نہیں ہو سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ زمانہ کا خالق ہے پھر حجب ایسے کلام کا سماع جو حروف اور کلمات سے مرکب ہو جائز ہے کہ حروف اور کلمات کے واسطے کے بغیر ہو تو ایسا کلام جو حروف و اصوات کی جنس سے نہیں ہے اس کا زیادہ حق ہے کہ وہ بغیر حروف اور کلمات کے سنا جائے اس کو سمجھ اور حاضر لوگوں سے مت ہو۔

اور وہ بات جس کا مجھے الامام اس مقام کی تحقیق میں ان سطور کے لکھنے کے بعد بتایا ہے کہ اس بندے کا فہم جو خطاب کے لئے مستند اور اللہ تعالیٰ کلام سننے کی اہلیت دکھاتا ہو اولاً روحانی ملقی سے بغیر حرف اور

کلمہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور اس میں آواز اور مذاک و سیلہ نہیں ہوتا پھر یہ معنی جس پر افتاد ہوا ہے خیال کی سلفت میں آتا ہے جس میں تمام اشیاء کی صورتیں منعقد ہیں تو وہ حرف اور آواز کی شکل اختیار کرتا ہے کیونکہ علم شہادت میں افادہ اور استفادہ الفاظ اور حروف کے واسطہ ہی سے ہوتا ہے اور جائز ہے کہ اس معنی کے حصول پر بلا کیفیت سماع کا اطلاق بھی کیا جائے کیونکہ کلام تو بلا کیفیت ہے اور اس کا سماع بھی بلا کیفیت ہوگا۔ کیونکہ کیفیت کو یہ کیفیت سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے تو صیغہ ہوا کہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنایا جائے جو کہ حرف اور آواز سے خالی اور بلا کیفیت ہو پھر اس کے بعد یہ کلام خیال میں حرف اور کلمے کی صورت اختیار کرنے تک عالم اجسام میں افادہ اور استفادہ حاصل ہو۔

اور جو لوگ اس باریک نکتہ سے آگاہ نہیں ہوتے ان میں سے بعض نے تو یہ کہا ہے اور وہ حالت میں سب سے بہتر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں لیکن حروف اور کلمات کے ذریعہ سے جو کہ حادث ہیں اور اس پر دلالت کرتے ہیں اور بعض نے مطلقاً یہ بات کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں اور وہ اس میں فرق نہیں کرتے کہ کیا چیز اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور کیا چیز لائق نہیں ہے اور یہ جاہل باطل پرست لوگ ہیں ان کو یہ معلوم نہیں کہ کیا چیز اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہے اور کیا جائز نہیں ہے اور حق وہی ہے جو میں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل و کرم سے تحقیق کیا ہے۔

اور آپ کا یہ قول کہ ”اُس کے کان اُس کی آنکھیں بن جاتے ہیں اور اس کی آنکھ اس کا کان ہو جاتی ہے“ یہاں تک کہ آپ نے کہا اور اُس کا آخر اس کا اول ہو جاتا ہے اور اس کا اول آخر ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کا کان اس کی آنکھ کا حکم حاصل کر لیتا ہے اور اس کی آنکھ اس کے کان کا حکم۔ یعنی وہ پورے اپنے آپ سے مستجاب ہے اور پورے جسم سے دیکھتا اور پورے جسم سے جانتا ہے یہ نہیں کہ کچھ حصے سے مستجاب ہے اور کچھ دوسرے حصے سے دیکھتا ہے کیونکہ اس صورت میں تو کان کو آنکھ کا حکم حاصل نہیں ہوگا پھر آپ نے اپنے اس قول کی وضاحت کی ہے کہ ”اس کا اول اس کا آخر ہو جاتا ہے اور اس کا آخر اس کا اول ہو جاتا ہے“ کیونکہ اس کلام میں خفا تھا اور اس وضاحت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے قول سے کہ ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟“ چوتھوں کو مخاطب کیا تو چونکہ ان میں انتہا درجہ کی صفائی تھی۔ لہذا انہوں نے بلا واسطہ اس کو اذکار کو سنا پھر چوتھیاں اصحاب میں منتقل ہوتی رہیں اور رجوں میں منتقل ہوتی رہیں یہاں تک کہ وہ اپنے جسموں کی طرف ظاہر ہوئیں تو وہ اس قدرت سے محنت خداوندی کے مطابق متعجب ہو گئیں اور مختلف اطوار میں نقشبک و بسمان کے اندھیرے تہ بہ تہ ہو گئے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے متعلق اچھے استماع کا ارادہ کرتے ہیں کہ اسے صوفی صافی بنا دیں تو اس کو جلا اور

تذکیہ کے مختلف مراتب میں ترقی دینے رہتے ہیں یہ بیان تک وہ قدرت کی نعمت میں آنا ہو جاتا ہے اور اس کی نافذ بصیرت سے حکمت کے حجاب دور کر دیئے جاتے ہیں تو پھر اس کا اَللّٰهُ یَسِّرُ لَکَ (کیا میں تہا را رت نہیں ہوں) کا سماع کشفاً اور عیاناً ہوتا ہے اور اس کی توفیق اور عرفان قبیان اور برہان سے ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی اپنی اور غیر کی زبان اس کے حق میں موسیٰ علیہ السلام کے درخت کا حکم حاصل کر لیتی ہے وہ اس سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنتا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس درخت سے سنا تھا تو صحیح ہو جاتا ہے کہ اس کا آخر اس کا اول مریا جاتا ہے اور اس کا اول اس کا آخر ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کا کلام آخر میں بھی اسی طرح سُن لیا جیسا کہ اس نے اول میں سُننا تھا۔

اور اسی پر شیخ نے ان معنی کے قول کو محمول کیا ہے جس نے کہا کہ مجھے یاد ہے وہ خطاب جو اللہ تعالیٰ نے اَللّٰهُ یَسِّرُ لَکَ (کیا میں تہا را رت نہیں ہوں) کے الفاظ سے کیا تھا یعنی وہ خطاب اول بھی اسی خطاب کی طرح تھا جو میں اب اللہ تعالیٰ سے زبانوں پر سُن رہا ہوں۔ اس کو یاد رکھو۔

یہ تجھ پر معنی نہ رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلا خطاب حقیقی تھا اور چوتھوں کا اللہ تعالیٰ سے سُننا حقیقی طور پر تھا اور یہ خطاب جو زبانوں سے سُن کر اخذ کیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا خطاب تخیل اور توہم کے طور پر ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ پس یہ کہاں اور وہ کہاں۔ اور انتہائی تعجب تو یہ ہے کہ شیخ قدس سرہ نے اپنی جہالت قدر کے باوجود ایک کو دوسرے کا عین کہا ہے اور حقیقی اور خیالی میں کوئی فرق نہیں کیا حالانکہ وہ عین سکر اور خاص توحید ہے اس کی مثال وہی ہے جو اَنَا الْحَقُّ اور سُبْحَانَیْ اور لَیْسَ لَیْ جُہَنَّمَ سِوِیْ اللہ کے اقوال کی ہے۔

اور سب سے زیادہ عجیب بات وہ ہے جو انہوں نے اس کے بعد کہی ہے کہ ”جب صوفی اس صفت سے متصف ہو جاتا ہے تو اس کا وقت سرمدی اور اس کا شہود ابدی اور اس کا سماع متواتر اور متجدد ہو جاتا ہے اور یہ تجھ پر معنی نہ رہے کہ صوفی اس مقام میں صرف تجلی معنوی صفاتی سے متصف ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا اور وہ مقام تلویح ہے نہ کوئی اور پھر اس کا وقت سرمدی اور اس کا شہود ابدی کہاں سے ہو گیا۔ سرمدی وقت اور دوام تو اس وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی ذات تک وصول ہوتا ہے اور اس کی ذاتی تجلی ہوتی ہے اور اسی طرح شہود اور شاہدہ بھی ذات تک واصل کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ صوفیائے نے کہا ہے اور جو مرتبہ صفات میں حاصل ہو اسے مکاشفہ کہا جاتا ہے پس شہود اور دوام تو ارباب تمکین کا حصہ ہے جو واصل الی الذات ہیں نہ کہ اہل تلویح کا جو کہ صفات میں مقید ہیں کہ یہ ارباب قلوب اصحاب قلب ہیں۔ تو پاک ہے ہمیں تیرے بتائے کے بغیر کوئی علم نہیں ہے یقیناً تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۱۹

مولانا شیخ محمد محمد علی خان صاحب

شیخ شہاب الدین قدس سرہ نے اپنی کتاب العوارف کے نویں باب میں ان لوگوں کے تذکرے میں کہا ہے جو ہونیہ کی طرف منسوب ہیں اور ان لوگوں میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو مولیٰ کے قائل ہیں اللہ انہیں ذلیل و رسوا کرے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں مولیٰ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ بے گزیدہ اجسام میں مولیٰ کرتے ہیں اور ذہنوں میں لاہوت اور ناموت کے متعلق معنی عیسائی لوگوں کا قول سبقت کرتا ہے۔

اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو اس وہم کی بنا پر خوبصورت عورتوں کی طرف دیکھنا جائز سمجھتے ہیں۔ اور ان کے خیال میں یہ بات ہے کہ جس نے اپنے بعض غلبات میں کچھ کلمات کہے ہیں تو ان میں کوئی چیز پوشیدہ معنی (یعنی ان کے خیال کے مطابق مولیٰ تھا) جیسے کہ حلاج کا قول اَنَا الْحَقُّ (میں خدا ہوں) اور ابو یزید بسطامی کا قول مُبْتَغَا فِی (میں پاک ہوں) اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں کہ ہم ابو یزید کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ انہوں نے یہ بات اپنی طرف سے کہی ہوگی بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے حکایت کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے اور اسی طرح حلاج کے قول میں بھی لائق یہی ہے کہ یہ ہی عقیدہ رکھا جائے اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے مولیٰ کے عقیدے کی بنا پر یہ الفاظ کہے ہیں تو ہم اس کی بھی تردید اسی طرح کریں گے جیسے ہم ان مولیٰ والوں کی تردید کرتے ہیں۔ انتہی۔

کاش مجھے سچا آجاتی کہ اللہ تعالیٰ سے حکایت کا کیا معنی ہے مگر یہ کہہ جاتے کہ شیخ شہاب الدین قدس سرہ نے یہ چاہا ہے کہ ایسی بات کہنے والا اگر بندہ ہے جیسا کہ اکثر کے نزدیک ظاہر ہے تو لازمی ہے کہ وہ قول اللہ تعالیٰ سے حکایت کے طور پر ہو کیونکہ بندہ کبھی رب نہیں ہو سکتا لیکن حقیقت میں بات کہنے والا اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے اور زبان بندے کی ہے جیسا کہ مولیٰ علیہ السلام کا درخت تھا تو اس صورت میں حلاج پر کوئی اعتراض نہیں اور ابو یزید بسطامی کے متعلق کوئی گفتگو ہے قدس اللہ تعالیٰ امر رہا۔ اور شیخ کی ظاہر عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایسے الفاظ کو حکایت کے معنی پر محمول نہ کیا جائے تو اس سے مولیٰ سمجھا جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ غلبات توحید اور توحید شہود چھپنے کے وقت ایک مشہود کے علاوہ اور چیز کے پوشیدہ ہو جانے کی وجہ سے ہوا اور اس میں مولیٰ و اتحاد کا شائبہ نہ ہو۔ پس منصرف کے قول اَنَا الْحَقُّ کا معنی یہ ہوگا کہ جب وہ اپنی نظر سے آپ معنی ہو گیا

تو اس نے کہا میں کوئی چیز نہیں ہوں اور موجود صرف حق ہے یہ نہیں کہ میں حق کے ساتھ متحد ہوں یا اللہ تعالیٰ میں حلول کرنے والا ہوں کیونکہ وہ کفر ہے اور توحید شہودی کے منافی ہے کیونکہ اس میں مشہود صرف ایک احد ہے اور حلول اور اتحاد کی تقدیر پر مشہود مستند وہیں اگرچہ وہ اتحاد و وصول کی صفت پر ہوں۔

اور شیخ کا یہ قول کہ "بعض ان میں سے حلول کے وہم کی بنا پر خوبصورت عورتوں کی طرف دیکھنا جائز قرار دیتے ہیں" شیخ اہل سے تعجب ہے کہ انہوں نے ایسی عبارتوں سے اتحاد اور حلول سمجھا ہے حالانکہ ایسے اقوال سے جو چیز ذہن میں سب سے پہلے آتی ہے وہ ظہور ہے اور وہ حلول کے علاوہ ہے، کیونکہ حلول یہ ہے کہ کوئی چیز بنفسہ کسی چیز میں داخل ہو جائے جیسے کہ نفس زبدی مکان میں داخل ہو اور ظہور یہ ہے کہ کسی چیز میں کسی چیز کا عکس ہو جیسا کہ آئینہ میں زبد کا عکس ہونا اور پہلی بات (یعنی حلول) اللہ تعالیٰ کے لئے ناممکن ہے اور اس مرتبہ مقدمہ کے لئے نقص ہے اور دوسری بات (یعنی ظہور) کے ثبوت کے لئے کوئی ممانعت نہیں ہے اور نہ اس کے حصول میں کوئی نقص ہے کیونکہ پہلی بات تغیر کو مستلزم ہے جبکہ قدم کے منافی ہے اور دوسری بات اس کو مستلزم نہیں ہے جیسا کہ نفی نہیں ہے۔

اگر کمالات (جو بہ خداوندی) اعظم اسکانیہ کے آئینہ میں ظاہر ہوں تو اس سے حلول لازم نہیں آتا کہ یہ کمالات ان آئینوں میں حلول کئے ہوئے ہیں اور نہ ان کا تغیر اور انتقال قدم کے منافی ہے وہ صرف ایک ظہور ہے اور آئینہ میں کمالات کو دکھانا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے کمالات کے آئینہ میں ظہور کر موعنے کو جائز قرار دینا ان کمالات کا آئینہ میں حلول کرنا نہیں ہے بلکہ وہ تو آئینہ میں کمال کے ظہور کو جائز قرار دینا ہے اور اس میں کوئی نقص نہیں ہے اگرچہ ایسے شہود کو جائز قرار دینے والا صاحب نقص اور راستہ پر چلنے میں غیر مستقیم ہی کہوں نہ ہو۔ مقصود صرف اس سے حلول کی تہمت کو دور کرنا ہے نہ کہ اس کے کمالات کا اثبات اور اس کا کسی چیز پر مہونا اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی تمام امور کے حقائق کو جاننے والا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۲۰

میر نصیر علی طوط صادر فرمایا

(گوشہ نشینی اختیار کرنے کے بیان میں)

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ۔ میرے عزیز بھائی کے گرامی نامے یکے بعد دیگرے پہنچے انہوں نے خروشی پہنچائی اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے کہ بے مناسبی کے اسباب کے باوجود فقراء

کے ساتھ محبت اور وابستگی جو آپ کو مٹی اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے اور وہ فتور کا باعث نہیں ہوا ہے بلکہ اس تعلق میں اور قوت پیدا ہو گئی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس طائفہ کی محبت میں استقامت نصیب فرمائے کہ وہ نیک نیتی کا سرمایہ ہے۔

شفقت شہادا اس فرصت میں عزت کا شوق غالب آیا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے اور جمعہ کے بغیر مسجد میں نہیں جاتے ہیں اور پنجوقتہ جماعت اسی گوشہ میں ہوتی ہے اور آدمیوں کی ملاقات کا راستہ بند کر دیا ہے اوقات بڑی جمعیت سے بسر ہو رہے ہیں اور مقام عمر کی آرزو گویا اب میسر ہوئی ہے، اور اس پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تعریف ہے۔

باقی ظاہر احوال بھی خیر و عافیت سے ہیں اور فرزند اور تمام متعلقین پوری جمعیت سے وقت گزار رہے ہیں جناب خواجہ عبداللہ رمضان المبارک سے پہلے دہلی تشریف لے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے کہ خواجہ نے اس آمد میں بہت سے فائدہ حاصل کئے ہیں انہوں نے فرق الٹ دیا ہے اور غلبات توحید سے تنزیہ کے دریا میں غوطے کھائے ہیں اور اس کی گہرائی کی طرف متوجہ ہیں اور ظاہر سے باطن بلکہ باطن کے باطن کی طرف جا رہے ہیں باقی حالات کی تفصیل چونکہ خواجہ بہاء الدین اس جگہ آنے میں شاید تفصیل سے بیان کر دیں۔

مکتوب نمبر ۱۲۱

مرزا حامد الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

(یک مکتوبات کی عبارت کے صل میں جو کہ اسرار کا متعلق ہے)

الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ احْصٰہُمْ - آپ کا گرامی فارحہ از روئے شفقت اس فقیر کے نام لکھا گیا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا لکھا تھا کہ ایک بزرگ نے اس مکتوب کی عبارت پر جو رقم لے اجیر میں لکھا تھا کچھ اعتراض کئے ہیں ان کے صل میں کچھ لکھنا چاہیے اور بعض دوسنوں نے چونکہ اشتباہ کے مواقع کی تعیین کر کے لکھا ہے تو ان کے اندازہ کے مطابق چند ایک مقدمات اس متنبہ کے صل میں خداوند تعالیٰ کی مدد سے لکھے جاتے ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی بھلائی کے رستے کی رہنمائی کرنے والا ہے میرے مخدوم و مکرّم! سیر سرداری اور سیر بربری ایک ایسا امر ہے جو اس میر دالے کے وجدان سے تعلق رکھتا ہے اور کسی نہ کسی امر کا لازم کرنا نہیں ہے کہ بغیر تعلق کے رکھا جائے پس اس پر دلیل اور برہان طلب

کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے باوجود جس آدمی کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قوت حدس عطا فرمائی ہے وہ اگر اس سیر و اسے کے احوال و اوضاع میں اچھی طرح غور کرے گا اور وہ فیوض برکات اور علوم و معارف الہی قیامتہ کے جن سے وہ ممتاز ہے مشاہدہ کرے گا تو ہو سکتا ہے کہ اس پر سیر مرادی کا حکم لگانے اور کسی دلیل کا محتاج نہ ہو اس آدمی کی طرح جو کہ اس قرب و بعد اہم مقابلہ اجتماع کو ملاحظہ کرے جو چاند کو سورج سے ہے تو فیصد کرے گا کہ چاند کا نور سورج سے حاصل ہے اگرچہ یہ معنی اور باب حدس کے علاوہ کسی اور پر حجت نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی ہے کہ ہمارے خواہر (باقی باللہ) قدس سرہ نے اس فقیر کی سیر کے اوائل حال میں اس سیر کو سیر مرادی مقرر فرمایا تھا شائد دوستوں نے بھی یہ بات سنی ہوگی اور ثنوی کے پاشا اور اس فقیر کے مال کے مرافق پڑھا کرتے تھے۔

۱۱۔ عشق مشرقاں نہاں است و ستیر
عشق عاشق با دو صد ہل و نفیر
۱۲۔ ایک عشق عاشقاں تن زہ کستہ
عشق مشرقاں خوش و قرب کند

اور مرادوں میں سے جس بھی حاصل ہوا ہے وہ راہ اجتناب سے گیا ہے اور مریدوں کی راہ کو انابت اور مرادوں کی راہ کو اجتناب کہا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اللہ یَجْلِبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي
إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ
اللہ تعالیٰ جسے چاہیں اسے برگزیدہ کر لیں
اور جو اللہ کی طرف رجوع کرے اللہ اسے ہدایت فرمائے گا۔

ہاں اجتناب کی راہ اصل میں تو انبیاء سے مخصوص ہے علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اور امتوں کو دیکھ کر کمالات کی طرح ان کی تابعداری میں یہ چیز ملتی ہے یہ نہیں کہ اجتناب مطلقاً نبیوں سے مخصوص ہے علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اور امتوں کو اس سے بالکل حقتہ نہیں ہے کہ وہ غیر واقع ہے۔

میرے غمدوم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت اور حیلوت سے سالک کو فیض پہنچنا اس وقت تک ہے کہ جب تک اس سالک کی حقیقت محمدی الشرب ہے اور حقیقت محمدی سے منطبق نہیں ہوئی ہے اور اس کے ساتھ متفق نہیں ہے اور جب اپنی کمال متابعت کی دم سے بلکہ محض اللہ کے فضل سے عروج کے مقامات میں اس حقیقت کو اس حقیقت سے اتحاد حاصل ہوتا ہے تو وساطت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وساطت اور حیلوت تو منابریت میں ہے اور اتحاد میں تو وسط اور متوسط اور حاجب اور محجوب نہیں ہوتے جس جگہ اتحاد ہے اس جگہ شرکت کا معاملہ ہے لیکن چونکہ سالک تابع اور الحاقی اور

نہ وہ مشوق کا عشق پرشیدہ اور نہاں ہوتا ہے اور عاشق کا عشق دور ہل اور فیروں سے ہوتا ہے۔ ۱۲۔

۱۲۔ لیکن عاشق کا عشق جسم کو لا غرتا ہے اور مشوق کا عشق خوش اور مونا کرتا ہے۔ ۱۲۔

ظیفی ہے لہذا اس کی شرکت خادم کی خدمت سے شرکت ہوتی ہے۔

اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اس کی حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت سے انطباق و اتحاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ حقیقت محمدی علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام حقائق کی جامع ہے اور اس کو حقیقت الحقائق کہتے ہیں اور دوسروں کے حقائق اس کے اجزاء یا جزئیات کی طرح ہیں۔ کیونکہ اگر وہ محمدی المشرب ہے تو ساکب کی حقیقت اس کی کلی کے لئے جزئی کے رنگ میں ہے اور اسی پر محمول ہے اور غیر محمدی المشرب کی حقیقت اس کی کلی کے جز کی طرح ہے لیکن اس پر محمول نہیں ہے اور اس حقیقت غیر محمدی المشرب کو اگر عروج میں اتحاد پیدا ہو تو کسی پیغمبر کی حقیقت سے ہوگا کہ یہ ساکب جس کے قدم پر ہیں اور اس کی حقیقت پر محمول ہوگا اور اس کے مناسب کمالات میں شرکت پیدا کرے گا لیکن یہ شرکت خادم کی خدمت سے شرکت ہوگی جیسا کہ پہلے گذر چکا اور حجب اس جزئی کو کمال متابعت کی وجہ سے بلکہ محض فضل سے اپنی کلی سے خاص محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے وصول کا شرف اس کو دیگر ہوتا ہے تو وہ قید جہالتی کو جزئی میں لائی ہے فضل خداوندی سے فقید وائل ہونے لگتی ہے اور آہستہ آہستہ زوال کے بعد اس جزئی کو اس کی سے انطباق اور الحاق حاصل ہوتا ہے اور وہ جو ہم نے کہا ہے کہ خاص محبت پیدا ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح جے طرح محض فضل سے اس فقیر کے لئے پیدا ہوئی تھی اور میں محبت کے غلبہ میں کہا کرتا تھا کہ میری محبت اللہ تعالیٰ سے اس لئے ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے اور میاں شیخ تاج اور دوسرے دوست اس مقولہ سے تعجب کرتے تھے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو بھی یہ بات بھولی نہ ہوگی اور حجب تک اس قسم کی محبت پیدا نہ ہو الحاق و اتحاد کس طرح پیدا ہو سکتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اور توسط اور عدم توسط کی حقیقت کو بیان کرتا ہوں اچھی طرح سنو۔ جذبہ کے طریق میں چونکہ کشش مطلوب کی جانب سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی غایت طالب کے حال کی متکفل ہے تو لازماً وہ وساطت قبول نہیں کرتا اور سلوک کے طریق میں چونکہ انابت طالب کی طرف سے ہوتی ہے تو ذراخ کے وجود سے چارہ نہیں ہوتا اور نفس جذبہ میں اگرچہ واسطوں کی ضرورت نہیں ہے لیکن جذبہ کی تکمیل سلوک سے متعلق ہے کیونکہ اگر سلوک جو کہ شریعت کی تعمیل سے عبارت ہے اور توبہ و زہد وغیرہ اگر جذبہ کے ساتھ پیوستہ نہ ہوں تو جذبہ نامقام و ابتز ہے بہت سے ہندو اور بے دین لوگوں بھی ہم نے دیکھا ہے کہ وہ جذبہ رکھتے ہیں لیکن چونکہ صاحب شریعت علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی سے آراستہ نہیں ہیں لہذا خراب و ابتز ہیں اور جذبہ کی صورت کے علاوہ کوئی حصہ نہیں رکھتے۔

سوال ۱۔ جذبہ کا حصول ایک طرح سے محبوبیت کا تقاضا کرتا ہے پس کفار کو جو کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں جذبہ سے کس طرح حصہ لانا جائز ہو سکتا ہے؟

جواب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض کفار کے حقائق ایک طرح کی محبوبیت رکھتے ہوں جو کہ ان کے حصول جذبہ کی باعث ہوتی ہو اور چونکہ وہ صاحب شریعت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے آراستہ نہیں ہیں لہذا زیاں کار اور ذلیل رہ گئے اور اس جذبہ نے سوائے ان پر حجت قائم کرنے کے اور کچھ نہ کیا کہ ان کی استفادہ تو معلوم ہو گئی لیکن ان کی جہالت اور عناد نے اس استفادہ کو قوت سے فعل میں لانے دیا اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کیا کرتے تھے۔

اور اگر جذبہ کے طریق میں صاحب شریعت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے ذریعہ سے جو کہ سلوک سے عبارت ہے مطلوب تک وصول میسر ہو جائے تو وہ کسی امر کے واسطہ اور جہولت کے علاوہ ہوگا۔ کہا ہے کہ اگر تم کوئی ذول نیچے لٹکاتے ہی جاؤ تو وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا۔ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے جاؤ اور تم بطون میں پہنچاؤے جاؤ تو لازماً تمہارے اور خدا کے درمیان کوئی امر حائل اور حجاب نہیں ہوگا اور شاید آپ کو بھی یاد ہوگا کہ ہمارے خواجہ (باقی اللہ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اس معیت کی راہ سے جو اللہ تعالیٰ کو بندہ سے ملے اگر وصول میسر ہو جائے تو لازماً وہ کسی امر کے واسطہ کے بغیر ہوگا کیونکہ مناسبت معیت ہے اور اگر واسطہ ہے تو تربیت کے سلسلہ میں ہے جو کہ سلوک سے عبارت ہے اور معیت کی راہ جذبہ کی راہوں میں سے ایک ہے اور حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (اُدھی اُس کے ساتھ ہے جس سے اُس کی محبت ہو) بھی اسی معنی کی تائید کرتی ہے۔

کیونکہ جب آدمی کو اپنے محبوب سے معیت ثابت ہو جاتی ہے تو واسطہ زائل ہو جاتا ہے۔ غور سے منو کہ ہر نفل کو اپنے اصل کی طرف ایک شاہراہ ہے اور کوئی چیز ان کے درمیان حائل نہیں ہے اگر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے نفل کو اپنے اصل سے رغبت پیدا ہو اور اس سے کشش ظاہر ہو اور صاحب شریعت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی دولت سے اس نفل کو اس اصل سے وصول اور الحاق حاصل ہو تو لازماً وہ بغیر کسی امر کے حائل ہونے کے ہوگا اور چونکہ وہ اصل اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کوئی اسم ہے تو لازماً اسم اور اس کے مستحق کے درمیان کوئی حائل نہیں ہوگا اور اس راہ سے نفل کا اپنے اصل الاصل سے جو کہ اس اسم کا مستحق ہے وصول بغیر کسی امر کے حائل ہونے کے ہوگا اور پھر یہ بھی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ

سے بے چرنی وصول سے وصل ہے تو کسی امر کا حاصل ہونا اور واسطہ ہونا اس کے حق میں مفقود ہے پھر جس صورت میں ذات سے وصول میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا حجاب اور حیلوتہ بھی نہیں رہتا تو غیر صفات کے حجاب اور حیلوتہ کو وہاں کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔

سوال :- جب اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات سے الگ نہیں ہیں تو واصل اور موصول الیہ کے درمیان سے صفات کی حیلوتہ کا ارتفاع کس معنی سے ہوتا ہے؟

جواب :- سالک کو جب اپنے اصل سے جو کہ اسماء الہی میں سے کوئی اسم ہے اور وہ سالک اس کا ظل ہے وصول اور تحقیق حاصل ہوتا ہے تو لازماً اس کے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے درمیان کوئی واسطہ اور کوئی وسیلہ نہیں رہتا جیسا کہ اسم اور اس کے معنی کے درمیان کسی امر کا حاصل ہونا ثابت نہیں ہے پس نہ ارتفاع لازم آیا نہ انفکاک اور ایسی ہی تحقیق اور حقیقت سالک کے حقیقت محمدی علیہ و علی آراد الصلوٰۃ والسلام سے اتحاد کے بیان میں گزر چکی ہے اور اس کا کچھ حصہ ظل کے اپنے اصل سے وصول کے بیان میں بھی گزر چکا ہے۔

تنبیہ :- اس عدم تو توسط سے جو کہ جذبہ کے طریق میں کہا گیا ہے کوئی سادہ لوح یہ نہ سمجھے کہ خیر البشر علیہ و علی آراد الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی ضرورت نہیں ہے۔ اگرچہ وہ بعض لوگوں کی نسبت سے ہوا و نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت اور متابعت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ کفر اور الحاد اور زندقہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت حقہ کا انکار ہے اور اوپر گزر چکا ہے کہ جذبہ بولک کے بغیر جو کہ شریعت کی تمیل کا نام ہے ابتداء اور ناقص ہے اور وہ نعمت کی صورت میں عذاب الہی ہے اولیٰ مقام جذبہ نے صاحب جذبہ پر رحمت پوری کر دی ہے۔

مستقر یہ کہ کشف صمیم اور امام صریح سے بھی یقین ہو جاتا ہے کہ اس راہ کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ اور اس قوم کے معارف میں سے کوئی معرفت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور ان کے واسطہ کے بغیر میسر نہیں ہے اور مبتدی اور متوسط کی طرح منتہی کو بھی اس راہ کی برکات و فیوض ان کی تبعیت اور ان کی طیفیل کے بغیر حاصل نہیں ہے۔

محال است سعدی کہ راہ صفا توال رفت جز پر پستہ مصطفیٰ

افلاطون نے اپنی ہر قونی سے اس صفائی کی وجہ سے جو کہ اس نے اپنی ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعہ سے حاصل کی تھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھا اور کہا کہ ہم ایک

نے اسے سعدی محال ہے کہ صفا کی راہ پر مصطفیٰ کی پیروی کے بغیر چلا جائے۔ ۱۲

مہذب قوم ہیں ہمیں کسی ایسے آدمی کی ضرورت نہیں جو ہمیں تہذیب سکھائے۔ اس نے یہ دیکھا کہ صفائی ریاضتوں کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کے بغیر حاصل ہوئی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ تانے پر سونے کا ملمع کر دیں یا زہر پر کھانڈ کا غلاف چڑھا دیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہی ہے جو تانے کی حقیقت کو منقلب کر کے خالص سونا بنا دیتی ہے اور نفس کو آثار کی نکال کر اطمینان میں لے آتی ہے اور حکیم مطلق جل شانہ نے انبیاء کی بشت اور ان کی شریعتوں کا تقرر اس لئے کیا ہے کہ نفس آثار کو خراب اور عاجز کیا جائے اور اس کی خرابی کو جبکہ اس کی صلاح کو ان بزرگواروں کی متابعت کے بغیر کسی اور چیز میں نہیں دیکھا ہے اگر ہزاروں ریاضتیں اور عبادت بھی بھی ان بزرگواروں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے بغیر کی جائیں تو پھر بھی اس کی آثار کی ایک بال برابر بھی کم نہ ہوگی بلکہ اُس کی سرکشی زیادہ بڑھے گی سے ہرچہ گیر و غلبتی ملت شرود

اس کی ذاتی بیماری کا ازالہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں سے متعلق ہے اور اس کے موافقت حاصل جانا چاہیے کہ جذبہ کو اگرچہ سلوک سے چارہ نہیں ہے جذبہ سلوک سے پہلے ہو یا بعد لیکن فضیلت تقدیم جذبہ کو ہے کہ سلوک اس کا خادم ہے اور تاخیر جذبہ میں سلوک اس کا مخدوم ہے کہ سلوک کی اہمیت سے اُس کو جذبہ میسر نہ ہو جائے اور تقدیم جذبہ میں اس طرح نہیں ہے کیونکہ وہ بلذات مطلوب و مدعو ہے یہی وجہ ہے کہ صاحب جذبہ مراد ہے اور صاحب سلوک مرید اور مرادوں اور محبوبوں کے سردار و محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ اس دعوت سے مقصود ذاتی اور معاویہ کی ہیں علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور دوسروں کو ان کی طفیل میں طلب کیا ہے خواہ وہ مراد ہوں یا مرید، جیسا کہ آیا ہے کہ وہ اگر نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا نہ کرتے اور اپنی ربوبیت کا اظہار نہ کرتے۔

جب دوسرے سب کے طفیل ہیں اور وہ اس دعوت میں مقصود اصلی ہیں علیہ السلام تو لازماً سب اُس کے طفیل ہوں گے اور ان کے ذریعہ سے فیوض و برکات حاصل کریں گے اور اس سنی سے اگر سب کو آپ کی آل کہا جائے تو اس کی غنائش ہے کیونکہ وہ ان کے پیچھے چلنے والے ہیں اور ان کے ذریعہ کے بغیر کمال حاصل نہیں کرتے کیونکہ جب اُن کا وجود بھی ان کے وجود کے واسطے کے بغیر کوئی صورت پیدا نہیں کر سکتا تو ان کے دوسرے کمالات جو کہ وجود کے تابع ہیں ان کے واسطے کے بغیر کس طرح صورت پیدا کر لیں گے علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ اے رب العالمین کا محبوب ایسا ہی ہونا چاہیے۔

اے بیمار جو کچھ بھی لیتا ہے وہ بیماری بن جاتا ہے ۷

غور سے سنیں کہ کشف سے معلوم ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اللہ تعالیٰ کی اس محبت سے ثابت ہے جس نے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات محض کے ساتھ بے ملاحظہ شیون و اعتبارات تعلق حاصل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس محبت سے مُدْبِر ہوئی ہے برخلات و دوسروں کی محبوبیت کے کہ وہ اس محبت سے قائم ہے جس کا تعلق شیون و اعتبارات سے ہے اور یا پھر اسما و صفات سے تعلق ہے یا اسما و صفات کے ظلال سے علی تفاوت الدرجات ۔

فَإِنَّ فَضْلَ رَسُولِ اللَّهِ لَئْسَ لَهُ حَدٌّ فَيُحَرِّثُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِكُم

علیہ علی جمیع اخوانہ من الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین الصلوات والتسلیمات والتغیات والبرکات ۔

اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ سرور کائنات علیہ علی آذ الصلوٰۃ والسلام کا واسطہ دوسنی رکھتا ہے ۔ ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سناک اور اس کے مطلوب کے درمیان حائل و حاجب ہوں اور دوسرا منی یہ ہے کہ سناک ان کی طفیل اور ان کی متابعت اور تبعیت کے واسطہ سے مطلوب سے حاصل ہو اور سلوک کے طریق میں اور حقیقت محمدی تک پہنچنے سے پہلے دونوں طرح سے واسطہ ثابت ہے بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس راہ میں وہ شیوخ و درویشان میں آئے ہیں وہ مشہور سناک میں عاجب اور متوسط ہیں ۔ افسوس اگر آخر حال میں بھی جذبر ان کا تذکرہ نہ کرے اور معاملہ پر وہ سے بے پردگی تک نہ پہنچے کیونکہ جذبر کے طریق ہیں ، حقیقتہ الحقائق تک پہنچنے کے بعد توسط دوسرے معنی میں ہے کہ طفیل اور تبعیت ہے اور حیل و حجاب ہے اور مشہور و مشاہدہ اور ان جیسے چیزوں کے لئے وہ پردہ ہوتا ہے ۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس عدم توسط سے اگرچہ ایک معنی ہی سے ہو جب حضرت خاقیت علیہ و علی آذ الصلوٰۃ والسلام میں قصور لازم آتا ہے ۔

نہیں کہتا ہوں کہ یہ عدم توسط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کو مستلزم ہے نہ کہ قصور کو بلکہ قصور و جہد توسط میں ہے کیونکہ تبصرہ کا کمال یہ ہے کہ اس کا تابع اس کی تبعیت اور اس کی طفیل سے کمال کے تمام درجات تک پہنچے اور کوئی دقیقہ نہ چھوڑے اور یہ معنی عدم توسط میں ثابت ہے نہ کہ وجود توسط میں کیونکہ اس جگہ مشہور ہے پردہ ہے جو کہ کمال کا آخری درجہ ہے اور اس جگہ پردہ میں ہے پس کمال عدم توسط میں ہوگا اور قصور توسط میں اور یہ مخدوم کی غفلت و شرکت ہے کہ اس کا خادم کسی مقام میں بھی اس

لے اللہ تعالیٰ کے رسول کی نصیحت کی کوئی مد نہیں ہے جس کے تعلق کوئی برتنے والا بول سکے ۱۲

سے پیچھے نہ رہے اور اسکی تبعیت میں ان کی دولت میں شریک ہو رہی و صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عَلَمَاءُ امَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَآئِيلَ (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں) علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

اخری روایت بے توسط اور بے حیلوت ہوگی صحیح حدیث علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ بندہ جب نماز میں داخل ہوتا ہے تو وہ حجاب جو بندے اور خدا تعالیٰ کے درمیان ہے اٹھ جاتا ہے اسی لئے نماز مومن کا معراج ہے اور منتہی و اصل کے لئے اس سے وافر حصہ ہے کیونکہ حجاب کا اٹھ جانا واصل منتہی کے لئے مخصوص ہے پس واسطہ اور حیلوت کا اٹھ جانا ثابت ہوا۔ یہ معرفت اس فقیر کے معارف لڑیہ کے خواص میں سے ہے کہ محض اپنے فضل و کرم سے یہ مجھے عطا فرمایا ہے اور اس کی حقیقت سے متصف کیا ہے۔

مَنْ اَنْ خَاكُمُ كَمَا يَرُوْهُ بَارِي كُنْدَا ز لُطْفُ بَرِيْنِ قُطْرُہٗ بَارِي
کسی نے کہا خوب کہا ہے۔

اگر بادشاہ برادر پیر زن، بیاندہ قولے خواہ شبت گمن

مشائخ طریقت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط اور عدم توسط میں اختلاف کیا ہے ایک جماعت توسط کی قائل ہے اور ایک گروہ عدم توسط کا اور ان میں سے کسی نے بھی توسط اور عدم توسط کی تحقیق نہیں کی ہے اور ان کے کمال اور قصور سے بات نہیں کی۔ ارباب ظاہر قریب ہے کہ عدم توسط کو جو کہ ایمان کا کمال ہے کفر سمجھیں اور اس کے قائل کو نادانستہ طور پر گمراہ کہیں اور توسط کو کمال ایمان تصور کریں اور اس کے قائل کو کمال تابعین سے شمار کریں حالانکہ عدم توسط کمال متابعت کی خبر دیتا ہے اور توسط متابعت کی کمی کی اطلاع دیتا ہے جیسا کہ حقیقت حال کو معلوم نہ کر سکنے کے باعث ان میں سے ہر ایک کا قول پہلے گنہگار چکا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اِلٰهًا يَخْتَصِمُ اَرْبَعًا عَلِيمٌ وَلَمَّا يَأْتِيهِمْ تَاْوِيْلُكَ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (بلکہ جو چیز انہیں معلوم نہ ہو سکی اور اس کا مطلب ان پر واضح نہ ہوا اس کو انہوں نے جھٹلایا) اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا تھا۔

اے میرے مخدوم! اُسی کیسے کہ مطلب ظاہری پیر سے انکار نہیں ہے کیونکہ ایسی وہ شخص ہے جس کی تربیت میں روحانیوں کو دخل ہو۔ حضرت خواجه احرار قدس سرہ باوجود ظاہری پیر کے چونکہ حضرت

سلسلے وہ خاک ہوں کہ نہ بار کا بدل بھریں مردمانی سے قطرے برساتا ہے ۱۲ سالہ اگر بادشاہ بڑی عمرت کے دروازہ سے پر آہٹے تو اسے خواہیہ تراپی نہیں نہ اکھاڑ۔ ۱۳

خواجہ نقشبند قدس سرہ کی روحانیت سے امداد پاتے تھے لہذا اپنے آپ کو اویسی کہتے تھے۔ اور اسی طرح خواجہ نقشبند بھی باوجود ظاہری پیر کے چونکہ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدانی کی روحانیت سے مدد پائے ہوئے تھے لہذا اویسی تھے خصوصاً جبکہ کوئی شخص اویسیّت کے باوجود اپنے ظاہری پیر کا اقرار بھی کرے تو زور کے ساتھ اس کے سر پر پیر کا الحکار مڑھ دینا عجیب انصاف ہے۔

میرے مخدوم! لفظ عبدالباقی کی ترکیب سے مراد معنی اضافی ہے نہ کہ معنی غلی۔ اگرچہ وہ نہایت بیغ وجہ سے معنی غلی کا اشعار بھی کرتا ہے یعنی میرا پیر اگرچہ باقی کا بندہ ہے لیکن میری تربیت کا کفیل اللہ باقی ہے اس جگہ کو کسی تحریف ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی سود ادبی ہے اللہ تعالیٰ انصاف عطا کرے۔

میرے مخدوم وہ قصور جو سبحانی کے معنی میں ہے جو کہ بسطامی قدس سرہ سے غلباتِ مکر میں صادر ہوا ہے کہ جانے گا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قائل میں وہ قصور ہمیشہ ہمیشہ تک ہو کر دوسرے اس سے افضل ہو جائیں کیونکہ ثبوت سے معارف ایسے ہیں کہ کسی وقت میں اس وقت کے حال کے مقتضائے مطابق صادر ہوئے ہیں اور دوسرے وقت میں خداوند تعالیٰ کی عنایت سے چونکہ اس معرفت کے قصور کو انہوں نے معلوم کر لیا ہے اس سے آگے گزر گئے ہیں اور بلند مقام پر پہنچ چکے ہیں۔ آپ کے مکتوب گرامی میں درج تھا کہ اربابِ شکر اگر اس قسم شطح آمیز باتیں لکھیں تو اس کی گنجائش ہے لیکن اربابِ صحو سے ایسی باتوں کا اظہار بہت مستبعد ہے۔

میرے مخدوم! جس نے بھی اس قسم کی باتیں لکھی ہیں ان کا نشانہ شکر ہے اور شکر کی آمیزش کے بغیر اس باب میں انہوں نے قلم نہیں کھڑا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ شکر میں بہت مراتب ہیں جتنا بھی شکر زیادہ ہوگا اتنا ہی شطح زیادہ ہوگا کوئی بسطامی ہی چاہیے کہ اس سے بے تحاشا قول یوافی اذفع منہ لبواہ غصہ (کہ میرا جھنڈا محمد کے جھنڈے سے زیادہ بلند ہے) صادر ہو پس جو بھی صحو رکھتا ہے اس کے متعلق یہ خیال نہ کریں کہ اس کے ہمراہ شکر نہیں ہے کہ وہ عین قصور ہے صحو خالص عوام کا حق ہے جس نے صحو کو ترجیح دی ہے اس کی مراد غلبہ صحو ہے نہ کہ صحو خالص، اور اسی طرح جس نے بھی شکر کو ترجیح دی ہے اس کی مراد غلبہ شکر ہے نہ کہ شکر خالص کہ وہ آفت ہے۔

جنید قدس سرہ جوارباب صحو کے فیس میں اور صحو کو شکر پر ترجیح دیتے ہیں ان کی اتنی شکر آمیز عبارتیں ہیں کہ وہ شمار سے باہر ہیں انہوں نے کہا ہے کہ ”وہی عارف ہے اور وہی معروف ہے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”پانی کا رنگ اس کے برتن کا رنگ ہے“ اور فرمایا ہے ”محدث جب قدیم سے مل

جانے تو اس کا اپنا اثر نہیں رہتا، اور صاحب عوارف جو کہ کامل ترین اربابِ صحو میں سے ہیں انہوں نے اپنی کتاب میں اتنے سکر یہ معارف بیان کئے ہیں کہ ان کی شرح کیا کبھی جانے اور اس فقیر کے ایک رنق میں ان کے بعض معارف شکر یہ کو جمع کیا ہے یہ شکر ہی کا بقایا ہے کہ افشا نے راز کو انہوں نے جائز کیا ہے اور شکر ہی ہے کہ وہ فخر اور مباحات کرتے ہیں اور یہ شکر ہی ہے کہ دوسروں پر اپنی بزرگی بیان کرتے ہیں اگر خالص صحو ہوتا تو اس وقت اسرار کو افشا کرنا کھڑا ہوتا اور اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر جانا شکر ہوتا صحو میں بقیہ شکر اسی طرح ہے جیسے کھانے میں نمک جو کہ طعام کا مصلح ہے اگر نلک نہ ہو تو طعام مطلق اور بے کار ہو جائے۔

گر عشق نہ بودے و غم عشق نہ بودے چندیں سخن نغمہ کہ گفتے کہ شنودے

صاحب عارف قدس سرہ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے اس قول کو کہ ”میرے یہ قدم ہر دلی کی گردن پر ہیں“ بقیہ شکر ہی پر محمول کیا ہے تو ان کی مراد اس قول کا قصور نہیں ہے جیسا کہ وہم ہوتا ہے کہ وہ ان کی عین تعریف ہے بلکہ بیان واقع کیا ہے یعنی اس قسم کی باتوں کا صدور جو کہ مباحات و افتخار کی خبر دیتی ہیں بنیر بقیہ شکر کے ثابت نہیں ہیں کہ صحو خالص میں ایسی باتیں کہنا مشکل ہے۔ اس فقیر نے جو یہ مقام و فائز اس طائفہ علیہ کے علوم و اسرار میں کھے ہیں ظہر آپ کے دل میں خیال جاگزیں ہو گا کہ میں نے خالص صحو سے کھے ہیں جن میں شکر کی آمیزش نہیں ہے حاشا و کلا کہ وہ حرام اور منکر ہے اور چہرہ سخن تراشی ہے باتیں کہنے والے جو خالص صحو سے متصف ہیں بہت ہیں وہ اس قسم کی باتیں کیوں نہیں مانتے اور لوگوں کو کیوں نہیں اپنی جگہ سے اکھاڑ ڈالتے۔

فریاد حافظ اب ہمہ آخر ہرزہ نیست ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست

میرے مقدم: اس قسم کی باتیں جو کہ افشا نے راز کی خبر دی اور ان کے ظہر معنی مراد نہ ہوں تو ہر وقت میں شائع طریقت تہذیب اللہ تعالیٰ اسرار ہم سے ایسی باتیں ظہر میں آتی ہیں اور ان بزرگواروں کی ہمیشہ کی عادت ہو چکی ہے، کوئی بھی ایسا امر نہیں ہے جس کو اس فقیر نے شروع کیا ہو اور اس کی اختراع کی ہو۔ یہ پہلا شیشہ ہی نہیں ہے جو اسلام میں توڑا گیا ہو۔ پس یہ تمام شور و غوغا کیسا ہے، اگر کوئی ایسا لفظ صادر ہوا ہے جس کا ظاہر علوم مشرعیہ کے مطابق نہیں ہے تو اس کو قصوری سی توجہ سے ظاہر سے پھیر کر مطابق بنا دینا چاہیئے اور مسلمان کو تہم نہ کرنا چاہیئے اور بے حیائی کی اشاعت اور فاسق کو رسوا

ملے اگر عشق اور طہر نام نہ تھا تو اتنی اچھی باتیں کون کہتا اور کون سنتا۔ ۱۲ سے حافظ کی یہ تمام فریاد آخر یہود و تر نہیں ہے۔

قصہ بھی بڑا عجیب ہے اور بات غریب اور ہے۔ ۱۲

کرنا بھی جب شریعت میں حرام ہے تو ایک مسلمان کو محض کسی اشتباہ کی بنا پر بدنام کرنا کیا مناسب ہے اور شہر شہر اس کی منادی کرنا کونسی دینداری ہے ؟

مسلمانی اور مہربانی کا طریقہ تو یہ ہے کہ وہ کلمہ جس کا ظاہر علوم شریعت کے مخالفت ہو اگر کسی آدمی سے صادر ہو جائے تو دیکھنا چاہیے کہ اس کا قائل کون ہے اگر ٹکھدا اور زبیدی ہو تو اس کا رد کرنا چاہیے اور اس کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہیے اور اگر اس کلمہ کا قائل مسلمانوں میں سے ہو اور خدا و رسول پر ایمان رکھتا ہو تو اس کی بات کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہیے اور اس کے لئے صحیح مہمل پیدا کرنا چاہیے یا اس کلمے والے سے اس کو مل کر لیا جائے اور اگر وہ اس کو مل کرنے میں عاجز ہو تو اس کو نصیحت کرنی چاہیے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا نرمی سے بہتر ہے کہ وہ تسلیم کر لینے کے زیادہ قریب ہے۔

اور اگر مقصود تسلیم کرانا نہ ہو اور صرف رسوا کرنا مطلوب ہو تو دوسری بات ہے اللہ تعالیٰ توفیق دیں اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ آپ کے مکتوب مشرعیں سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس بزرگ سے اس فقیر کا خط سننے کے بعد آپ کے مریدوں میں بھی اشتباہ اور اخلاف طاری ہوا لہذا کہ وہ پرتو ہو۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مشبک مقامات کو آپ خود حل کر دیتے اور اس فقیر پر نہ ڈالتے، اور فقیر کو بجا دیتے دوسرے دستوں کی شکایت کیا کرول کہ بعض نے ان میں سے باوجود اشتباہ کو دور کرنے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی اپنے آپ کو معاف رکھا اور خاموشی اختیار کر لی۔

ماثر یاراں چشم یاری داشتیم

اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔
والسلام اولاً و آخراً

مکتوب نمبر ۱۲۲

(مولانا حسن دہلوی کی طرف صادر فرمایا)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الذِّیْنَ اصْطَفٰی حَقِیْقَتِ مُحَمَّدٍ صلیہ
افضل الصلوٰت والتسلیٰت جو کہ ظہور اول الحقیقۃ الحقائق ہے اس معنی سے کہ دوسرے حقائق خواہ وہ
انبیاء کے حقائق ہوں اور خواہ ملائکہ عظام کے علیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام اس کے لئے ظلال کی طرح ہیں اور

نہ ہم دستوں سے دوستی کی امید رکھتے تھے ۱۲

وہ حقائق کا اصل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَزَلْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فُؤُوسِی (کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا)، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خَلَقْتُ مِنْ فُؤُوسِی اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُونَ مِنْ فُؤُوسِی (میں اللہ کے لئے پیدا ہوا ہوں اور مومن میرے نور سے پیدا ہوئے ہیں) تو لازماً آپ تمام حقائق اور قد اوند تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہوں گے اور ان کے وسیلہ کے بغیر کسی کو بھی مطلوب تک پہنچنا محال ہوگا پس آپ انبیاء اور مرسلین کے نبی ہیں اور آپ کا بھیجنا جہان والوں کے لئے رحمت ہے علیہ وسلم الصلوات والتسلیمات۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء اولو العزم باوجود اصالت کے ان کی تبعیت چاہتے تھے اور آپ کی امت میں داخل ہونے کی آرزو رکھتے تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے علیہ وسلم الصلوات والتسلیمات۔ سوال ۱۔ وہ کونسا کمال ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے سے وابستہ ہے اور وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو باوجود نبی ہونے کے حاصل نہ ہوا؟

جواب ۱۔ وہ کمال حقیقتہ الحقائق سے وصول و اتحاد ہے جو کہ تبعیت اور وراثت سے وابستہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے کمال فضل پر موقوف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے اخص ان خواص کا حصہ ہے اور جب تک امت میں سے نہ ہو اس دولت تک نہیں پہنچ سکتا اور تو رستہ کا حجاب نہیں اٹھ سکتا جو کہ اتحاد کے وسیلہ سے میسر ہوتا ہے شاہد اللہ تعالیٰ نے اسی لئے فرمایا ہے کُنْتُ خَيْرَ امْتٍ اَدْرَاکُمْ بہترین امت ہو پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح تمام انبیاء کرام اور ملائکہ عظام کے تمام افراد سے افضل ہیں اسی طرح وہ ہر ایک سے کمال طور پر بھی افضل ہیں کیونکہ اصل کو اپنے خلق پر فضیلت ہے اگرچہ وہ خلق بزرگوں خلال کا متضمن ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے فیوض کا وصول ظل کے واسطہ اور طفیل سے ہے۔ اس فقیر نے اپنے رسائل میں تحقیق کی ہے کہ اوپر کے نقطہ کو نچلے تمام نقطوں پر جو کہ اس کے خلال کی طرح ہیں فضیلت حاصل ہے اور اس کے اوپر کے نقطہ کو قطع کرنا جو کہ اصل کی طرح ہے عارف کے لئے زیادہ ہے اس سے کہ تمام نچلے نقطوں کو جو کہ اس کے خلال کی طرح ہیں قطع کرے۔

سوال ۱۔ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ اس امت کے خواص انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں؟

جواب ۱۔ یہ بالکل لازم نہیں آتا صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اس امت کے خواص اس دولت میں انبیاء کے ساتھ شرکت رکھتے ہیں اور اس کے باوجود دوسرے کمالات بہت ہیں کہ انبیاء کو ان کے ساتھ بزرگی اور خصوصیت ہے علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اس امت کے اخص ان خواص اگر بہت ترقی بھی کریں گے تو ان کا سر کسی ادنیٰ پیغمبر کے قدم تک نہیں پہنچ سکتا مساوات اور بزرگی کی کیا گنجائش ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ذِكْرَ بَارِي بَاتِ اپنے پیغمبر بندوں کے لئے پہلے گزر چکی ہے اعلیٰ الصلوات والتسلیمات ۔ اور اگر امتوں میں سے کوئی فرد اپنے پیغمبر کی تبعیت اور طفیل سے بعض پیغمبروں سے اور پر بھی ملا جائے تو وہ خادیت اور تبعیت کے عنوان سے ہوگا اور معلوم ہے کہ خادم کو اپنے مقدمہ کے ہمسروں سے سوائے خادیت اور تبعیت کے اور کیا نسبت ہو سکتی ہے کہ خادم و طفیل ہر وقت طفیلی ہے ۔

اور حقیقت محمدی علیہ علی الصلوٰۃ والسلام جو کہ حقیقت الحقائق ہے نہ رتبہ ظلال کے طے کرنے کے بعد اس فقیر پر آخر کار جو کچھ منکشف ہوا ہے وہ یقین و ظہور جی ہے جو کہ تمام مخلوقات کا مبداء اور تمام مخلوقات کی پیدائش کا منشا ہے بشور حدیث قدسی میں آیا ہے ۔ کُنْتُ كَلِمًا مُخْفِيًا فَأَخْبَيْتُ أَنْ أُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِأَعْرِفَ (میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے مجبور رکھا کہ میں پہچانا جاؤں پھر میں نے مندرجہ کپیر کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں) سب سے پہلی چیز جو اس مخفی خزانہ سے نمود کے تحت پر جلوہ گر ہوئی وہ محبت تھی جو کہ مخلوقات کی پیدائش کا سبب ہوئی اگر یہ محبت نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں مستقل طور پر اپنا ٹھکانا رکھتا ۔ حدیث قدسی کو لَوْلَا لَمَّْا خَلَقْتُ الْاَفْلاَکَ (اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) جو کہ خاتم الرسل کی شان میں واقع ہے کا راز اس جگہ سے معلوم کرنا چاہیے اور لَوْلَا لَمَّْا اَخْلَقْتُ السَّمَوٰتِیَّ (اگر تو نہ ہوتا تو میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) کی حقیقت کو اس مقام میں تلاش کرنا چاہیے ۔

سوال ۱۔ صاحب فتوحات مکیہ نے تعین اول جو کہ حقیقت محمدی ہے حضرت اجمال عالم کہا ہے اور تم نے اپنے رسائل میں تعین اول تعین وجودی کہا ہے اور اس کے مرکز کو جو کہ اس کے اجزاء میں سے اسبق و شرف ہے حقیقت محمدی قرار دیا ہے اور تعین حضرت اجمال کو اس تعین وجودی کا نقل لکھا ہے اور اس جگہ کہتے ہو کہ پہلا تعین جی ہے اور وہ حقیقت محمدی ہے ان اقوال میں تطبیق کی کیا صورت ہے ؟

جواب ۱۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی شے کا نقل اپنے آپ کو اصل شے دکھاتا ہے اور سالک کو اپنے آپ میں گرفتار کرتا ہے پس وہ دو تعین خلل ہیں ۔ تعین اول کے کہ عروج کے وقت عارف پر اصل تعین اول جو کہ تعین جی ہے ظاہر ہوتا ہے ۔

سوال ۲۔ تعین وجودی کو تعین جی کا نقل کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے حالانکہ وجود کو حُب پر سبقت ہے کیونکہ حُب وجود کی فرع ہے ۔

جواب :- اس فقیر نے اپنے رسائل میں تحقیق کیا ہے کہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ بذات خود موجود ہے
ذکر وجود سے، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات ثانیہ بابت واجب موجودی میں ذکر وجود سے کہ وجود بلکہ
وجوب کو بھی اس مرتبہ میں گنجائش نہیں ہے کہ وجود اور وجوب دونوں اعتبارات سے ہیں۔ پہلا اعتبار
جو کہ بکاد عالم کے لئے پیدا ہوا وہ حُب ہے اس کے بعد اعتبار وجود ہے جو کہ ایجاد کا مقدمہ ہے کیونکہ
اللہ تبارک و تعالیٰ کو بغیر اعتبار اس حُب کے اور بغیر اعتبار اس وجود کے عالم سے اور ایجاد عالم سے
استغناء ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (اللہ تعالیٰ جہانوں سے بے نیاز ہے) نص قطعی ہے
اور تعین علمی ہماری کو ان دو تعین کا نقل کرنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ دو تعین باعتبار حضرت ذات تعالیٰ
کے ہیں بغیر ملاحظہ صفات کے اور اس تعین میں ملحوظ صفت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے نقل
کی طرح ہے۔

جاننا چاہیئے کہ تعین اول میں جو کہ تعین حقیقی ہے جب وقت سے نظر کی جائے تو اللہ سبحانہ
و تعالیٰ کے فضل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرکز کا تعین حُب ہے جو کہ حقیقت محمدی ہے علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ
والسلام اور اس دائرہ کا محیط صورت مثال میں دائرہ کی طرح ہے اور وہ محیط اس مرکز کے لئے نقل کی
طرح ہے خلقت ہے جو کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت ہے پس حُب اصل ہونی
اور خلقت اس کے لئے نقل کی طرح ہونی اور یہ مرکز محیط کا مجموعہ جو کہ ایک دائرہ ہے تعین اول ہے اور
اس کا نام اس کے اسبق و اشرف اجداد کے نام پر ہے جو کہ مرکز ہے اور حُب سے عبارت ہے۔ اور نظر
کشفی میں بھی باعتبار اصالت اور اس جز کے غلبہ کے تعین حقیقی ہی ظاہر کرتا ہے اور چونکہ محیط دائرہ اس
مرکز کے لئے نقل کی طرح ہے اور اسی سے پیدا ہوا ہے اور وہ مرکز اس کا اصل و منشا ہے اس محیط کو اگر
تعین ثانی بھی کہیں تو گنجائش رکھتا ہے لیکن نظر کشفی میں دو تعین نہیں ہیں بلکہ ایک تعین ہے جو کہ حُب
اور خلقت پر مشتمل ہے جو کہ ایک ہی دائرہ کے محیط اور مرکز ہیں اور تعین ثانی در نظر کشفی تعین ثانی ہے جو کہ
تعین اول کے لئے نقل کی طرح ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

اور چونکہ مرکز محیط کا اصل ہے تو لازماً محیط کو مطلوب کے وصول میں مرکز کے توسط سے چاہئیں
ہے کیونکہ مطلوب تک وصول مرکز کی راہ سے ہے جو کہ دائرہ کا اصل و اجمال ہے اس بیان سے حضرت
حبیب اللہ کی حضرت خلیل اللہ سے اتحاد و مناسبت معلوم کرنی چاہیئے۔ علیہما و علیٰ جمیع الانبیاء و المرسلین
الصلوات و التسلیمات۔ اور چونکہ اصل واسطہ ہے نقل کے مطلوب تک پہنچنے کا تو لازمی طور پر حضرت خلیل
نے حضرت حبیب اللہ سے واسطہ چاہا ہے اور اس کی آرزو کی ہے کہ اس کی امت میں داخل ہوں جیسا کہ

دارد ہوا ہے علیہا و علی جمیع الانبیاء الصلوٰۃ و التسلیات و التہیات و اقباء اکملہ۔

سوال :- جب مسئلہ اس طرح ہو تو حضرت حبیب اللہ کو حضرت نبیل اللہ کی متابعت کا حکم کرنا کیا معنی رکھتا ہے علیہا الصلوٰۃ و التسلیات اور آنحضرتؐ نماز اور اپنے اوپر سلام کے بیان میں کَمَا صَلَّیْتَ اور کَمَا سَلَّمْتَ کیوں فرمایا ہے علیہا الصلوٰۃ و التسلیات ۔

جواب :- حقیقت شے اگرچہ بلند تر ہو اور تنزیہ کے زیادہ قریب ہو تو پھر بھی عالم عناصر میں اس حقیقت کا مظہر نسبت تر ہو رہا ہے اور بیشتر لباس بشری سے تنبیس ہوتا ہے پس اس مظہر سے بطریق عروج اس حقیقت تک پہنچا دشوار ہوتا ہے اور وہ ملت جو حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ و السلام کو عطا ہوئی ہے وہ حقیقت ابراہیمی کے وصول تک شاہراہ ہے جو حقیقت محمدی کے ہمسایہ میں واقع ہے جیسا کہ گذر چکا اور حضرت ابراہیم اسی راہ سے اس جگہ پہنچے ہیں اس بنا پر حکم ہوا کہ ان کی ملت کی متابعت کی جائے اور حقیقت الحقائق تک وصول فرمائیں اور آنحضرتؐ نے کَمَا صَلَّیْتَ فرمایا ہے علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ و السلام کہ صلوٰۃ و رحمت اُن پر وصول حقیقت کی دولت کے حصول کے بعد ہے

اور اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فاضل کو مفضل کی متابعت کا حکم کرتے ہیں اور اس متابعت کے حکم سے اس کی فاضلیت میں کوئی تصور لازم نہیں آتا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ و السلام کو فرمایا ہے وَشَاوْهُمْ فِي الْاَمْرِ اور کام میں ان سے مشورہ کرو صحابہ سے مشورے کا حکم ان کی متابعت کے حکم سے خالی نہیں ہے ورنہ مشورے کا کیا فائدہ ہوگا۔ جان لیں کہ حضرت صدیق کی حقیقت یعنی اسمائے الہی میں سے ان کا رب جو کہ اُن کا

مبدأ متعین ہے۔ بغیر کسی امر کے توسط کے حقیقت محمدی کا خلق ہے۔ اس طریقہ پر کہ جو کچھ اس حقیقت میں ثابت ہے بطریق تبعیت و وراثت اس خلق میں بھی ثابت ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس امت کے وارثوں میں سے اکمل و افضل ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالا ہے وہ میں نے ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا ہے اور یہ بھی واضح ہوا ہے کہ اسمائے حقیقت بھی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ و السلام وہی حقیقت محمدی ہے علیہ و علی جمیع انوار الصلوٰۃ و السلام یہ طریق اصالت و ظلیت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی حقیقت کی طرح جو کہ اس حقیقت کا خلق ہے بلکہ اس جگہ دونوں اصالت رکھتے ہیں کوئی ظلیت درمیان میں حاصل نہیں ہے اگر فرق ہے تو رنگیت اور جزئییت کا فرق ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ہیں لہذا وہ حقیقت انہی کے نام سے مرسوم ہے علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ و السلام اور ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ و السلام کے

حقائق اسی سرائیلی حقیقت سے پیدا ہوئے ہیں علی نبینا وعلیہ وعلی جمیع اخوانہ اکلیم الصلوٰۃ والسلام۔

سوال ۱۔ عارف کو اپنی حقیقت سے جو کہ اسم الہی جل شانہ سے عبارت ہے جو اس کا رب ہے اس حقیقت کے وصول کے بعد ترقی جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- سلوک کے مراتب طے کرنے کے بعد جس کو پوری سیرالی اللہ کہتے ہیں اس حقیقت تک وصول دو قسم کا ہے۔ ایک قسم یہ ہے کہ اس جگہ وصول اس اسم کے ظلال میں سے کسی نقل سے ہو کہ جس نے مظاہر و جوہر میں اپنے آپ کو اپنی حقیقت ظاہر کیا ہے اور اصل کے دنگ میں باہر کیا ہے اور یہ اشتباہ اس راہ میں بہت ہے اور سالک کے لئے ایک بہت بڑی گھاٹی ہے مگر یہ کہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس گھاٹی سے خلاصی میسر ہو جائے اور شک نہیں ہے کہ اس حقیقت غافل سے ترقی جائز ہے بلکہ واقع ہے۔

اور اگر وصول اپنے نفس حقیقت تک ہو چکا ہے تو اس سے آگے ترقی بغیر کسی دوسرے کی تبعیت اور طفیل کے جائز نہیں ہے کہ وہ حقیقت اس کی ذاتی استعداد کے مراتب کی انتہا ہے لیکن اگر اس کو کسی کی طفیل دوسرے کی حقیقت تک جو اس سے اوپر ہے پہنچا دیں تو جائز ہے بلکہ واقع ہے اور یہ سیر گویا سیر قسری ہے۔ جو میر طبعی اور استعدادی کے علاوہ ہے جیسا کہ اس کا کچھ بیان حقیقت محمدی کے وصول بیان میں گذر چکا ہے علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔

سوال ۲۔ حقیقت محمدی سے جو کہ حقیقتہ الحقائق ہے اور ممکنات کے حقائق میں سے کوئی حقیقت اس سے اوپر نہیں ہے۔ ترقی جائز ہے یا نہیں اور تم نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ حقیقت محمدی سے ترقی واقع ہوئی۔ اس معاملہ میں حقیقت کیا ہے؟

جواب :- جائز نہیں ہے کیونکہ اس مرتبہ کے اوپر لاتعین کا مرتبہ ہے کہ اس مرتبہ تک متعین الحقائق وصول محال ہے اور بے کیفیت وصول اور الحاق کتنا محض منہ کی بات ہے کہ معاملہ کی حقیقت تک پہنچنے سے پہلے اس سے تسلی حاصل کی جاتی ہے لیکن اصل معاملہ کی حقیقت تک پہنچنے کے بعد عدم وصول و الحاق کا حکم لازمی ہے کہ اس جگہ شک کا کوئی شائبہ نہیں ہے اور وہ جو میں نے لکھا ہے کہ حقیقت محمدی سے ترقی واقع ہوئی مراد اس حقیقت سے اس حقیقت کا نقل ہے کہ اجمال حضرت علم کہا ہے اور جسے وحدت سے تعبیر کیا ہے اس وقت اس فقیر پر نقل پر اصل کا اشتباہ تھا اور جب محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس نقل سے اور تمام ظلال سے نجات میسر ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس حقیقتہ الحقائق سے ترقی واقع نہیں ہے بلکہ جائز نہیں ہے قدم اس جگہ سے اٹھانا اور آگے رکھنا واجب میں قدم رکھنا ہے اور امکان سے باہر آنا ہے

جو کہ عقلی اور شرعی محال ہے۔

سوال ۱۔ اس تحقیق سے لازم آتا ہے کہ حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس حقیقت سے ترقی واقع نہ ہو۔

جواب ۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس جاد و جلال اور اس بلندی شان کے باوجود ہمیشہ ممکن ہیں اور ہرگز امکان سے باہر نہیں آسکتے اور نہ واجب سے مل سکتے ہیں کیونکہ یہ الوہیت سے منصف ہونے کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے کہ کوئی اس کا شریک اور برابری کرنے والا ہو۔
دَعَا مَا دَعَيْنَهُ النَّصَارَىٰ فِي بُيُوتِهِمْ ۖ وَ احْكُم بِنَايُنْتَدِىٰ سِدِّ حَارِثِيْنَا وَ اٰحْكُم

سوال ۱۔ سابقہ تحقیق سے واضح ہوا کہ دوسروں کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وارثت اور طفیل میں حقیقت الحقائق تک وصول اور ان سے الحاق و اتحاد ثابت ہے اور ان کے خاص کمالات و شرف موجود ہے پس اس صورت میں متوجع اور تابع کے درمیان اور اصلی اور طفیلی کے درمیان فرق جو کہ رفع حجاب اور ارتفاع واسطہ کا مستلزم ہے اور تمام کمالات سے اوپر ہے کیا ہوگا؟ اور وہ کونسی بزرگی ہوگی جو قبوں اور اصیل میں ہر اور تابع اور طفیلی میں نہ ہو؟

جواب ۱۔ دوسروں کا اس حقیقت تک الحاق و وصول خادم کے اپنے مخدوم سے الحاق کی طرح ہے یا طفیلی کے اسبل سے وصول کی طرح ہے اگر کوئی واصل اخلاص و انحراف بھی ہے جو کہ بہت ہی تھوڑے ہیں تو وہ بھی غلام ہے اور اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں تو وہ بھی طفیلی ہیں اور خادم جو کہ پس خود وہ کھانے والے اس کو اپنے مخدوم سے کیا شرکت ہو سکتی ہے اور اس کے مقابل اس کی کیا عزت و اُبل ہے؟ اور طفیلی اگرچہ مجلس اور مہر لغو ہے لیکن طفیلی بھر بھی طفیلی ہے۔ خادم جو اپنے مخدوم کے پیچھے بلند مقامات تک پہنچ جاتے ہیں اور ان کے مخصوص ملامتوں میں سے بچا ہوا کھاتے ہیں اور عزت و احترام پاتے ہیں تو یہ سب مخدوم کی بزرگی ہے اور اس کی تابعداری کی بلندی ہے گویا کہ مخدوم کو اپنی ذاتی عزت کے علاوہ خادموں کے الحاق کے راہ سے بھی عزت ملتی ہے اور ان کی شان میں اور زیادہ بلندی پیدا ہو جاتی ہے۔ اچھی طرح سنو کہ حدیث نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں آیا ہے جس نے کوئی اچھا طریقہ نکالا تو اس کے لئے اس کا اجر بھی ہے اور جو اس پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی۔ پس سُنّتِ حسنیہ میں متوجع کے جتنے بھی تابع زیادہ ہوں گے تو اس کو ان کے اجر و کی مثل اور زیادہ ملے گا اور اس کی منزلت کی زیادتی کا باعث ہوگا۔ پس تابعین کو اپنے متوجع سے کیا شرکت ہوگی اور کونسی مساوات تو تمہیں ہوتی ہے۔

لہٰذا نصاریٰ نے اپنے نبی کے متعلق کہا ہے وہ چھوڑ دے اور اس کے ملازم تو ان کی گرفتار کرنا چاہے وہ کراؤں پر مضبوط رہے۔ ۱۲۰

سُئِلُوا: جانتے ہیں کہ کچھ لوگ ایک ہی مقام میں ہوں اور ایک ہی دولت میں شریک ہوں لیکن ان میں سے ہر ایک کے ساتھ معاملہ الگ الگ ہو اور ایک کو دوسرے کی کوئی اطلاع نہ ہو۔ انہوں نے مطہرات بہشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی مقام میں ہوں گی اور ایک ہی کھانے اور پانی سے قائل کریں گے لیکن وہ معاملہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا وہ ان سے نہ ہوگا اور وہ لذت سرور جو ان کو حاصل ہوگا وہ ان کو حاصل نہ ہوگا اور اگر ان کو اس جگہ تمام امور میں شرکت ہو تو ان کی فضیلت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی طرح سب پر لازم آئے گی اور اس جگہ افضلیت کا معنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کثرت ثواب ہے۔

سوال ۱۔ یہ تعین جہی جرکتین اول ہے اور حقیقت محمدی ہے علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام ممکن ہے یا واجب؟ اور حادث ہے یا قدیم؟ صاحب فصوص تعین اول کو کہ جس کو حقیقت محمدی کہا ہے۔ اور اس کو وحدت سے تعبیر کیا ہے اور اسی طرح تعین ثانی کو کلاس کو واقعیت کہا ہے اور اعیان ثابتہ کہ جن کو حقائق ممکنات کہا ہے اس مرتبہ میں ثابت کیا ہے اور وہ ہر دو تعین کو تعین و جہی کہتا ہے اور قدیم جانتا ہے اور دوسرے تین تنزلات کو کہ رومی اور مثالی اور جہدی ہیں تعین امکانی تصور کرتا ہے آپ کا اس مسئلہ میں کیا عقیدہ ہے؟

جواب ۱۔ اس فقیر کے نزدیک کوئی تعین اور متعین نہیں ہے وہ کونسا تعین ہوگا جو لا تعین کو متعین کرے۔ یہ الفاظ حضرت شیخ محی الدین اور اس کے تابعین قدس اللہ تعالیٰ سرہم کے مذاق کے موافق ہیں اور اگر اس فقیر کی عبارت میں کہیں اس قسم کا الفاظ ہوں تو ان کو صنعت مشاکلہ کے قبیل سے سمجھنا چاہیے بہر حال میں کہتا ہوں کہ وہ تعین تعین امکانی ہے اور مخلوق اور حادث ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي (کہ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے) اور دوسری احادیث میں اس نور کی پیدائش کے وقت کا تعین بھی آیا ہے جیسا کہ فرمایا: قَبْلَ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالَمٍ (آسمانوں کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے) اور اس کی مثل اور روایات بھی ہیں اور جبکہ وہ مخلوق ہے اور مسبوق بعدم ہے۔ ممکن اور حادث ہے اور جبکہ حقیقت الحقائق جرکہ اسبق حقائق ہے ممکن اور مخلوق ہو تو دوسروں کے حقائق بطریق اولیٰ مخلوق ہوں گے اور امکان و حدوث رکھتے ہوں گے۔

تعبیر ہے کہ شیخ قدس سرہ نے حقیقت محمدی کو بلکہ تمام ممکنات کے حقائق کو اعیان ثابتہ کہا ہے وہ کہاں سے ان کے درجہ کا حکم کرتے ہیں اور کیسے ان کو قدیم جانتے ہیں اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کے برخلاف کیسے التزام کرتے ہیں ممکن اپنے اجزاء کے ساتھ بھی ممکن ہے اور اپنی ضرورت اور حقیقت سے

بھی ممکن ہے تعین وجہی ممکن کی حقیقت کس لئے ہوگا۔ ممکن کی حقیقت یقیناً ممکن ہونی چاہیے کیونکہ ممکن کو واجب تعالیٰ کے ساتھ کوئی اشتراک اور نسبت نہیں ہے سوائے اس کے کہ ممکن اس کی مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے خالق ہیں اور شیخ چونکہ واجب اور ممکن میں قیصر نہیں کرتے اور خود فرماتے ہیں کہ "ان دونوں میں قیصر نہیں ہے" اگر وہ واجب کو ممکن کہے اور ممکن کو واجب کہے تو اسے کوئی خطرہ نہیں ہے اگر ان کو محذور سمجھیں تو کمال کرم اور عفو ہے۔ اسے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کھا جائیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

سوال۔ تو نے خود اپنے رسائل میں اللہ تعالیٰ اور ممکن کے درمیان اصل اور نقل کی نسبت ثابت کی ہے اور ممکن کو واجب کا نقل کہا ہے اور واجب کو باعتبار اصل ممکن کی حقیقت کہا ہے کہ وہ اس کے نقل کی طرح ہے اور اس پر بہت سے معارف کو متفرع کہا ہے اگر اس اعتبار سے شیخ قدس سرہ نے بھی واجب تعالیٰ کو ممکن کی حقیقت کہہ دیا ہو تو اس میں کیا استعمال لازم آتا ہے اور اسے کیوں غلامت کی جاتی ہے؟ جواب۔ اس قسم کے علوم جو واجب تعالیٰ اور ممکن میں نسبت کا اثبات کریں اور شریعت ان کے ثبوت کے لئے وارد نہیں ہوئی یہ تمام معارف شکریہ سے ہیں اور حقیقت مسائل کی نارسالی کی وجہ سے۔

ممكن چہ بود کہ خلق واجب باشد

واجب تعالیٰ کا سایہ کیوں ہوگا کیونکہ ممکن کی تولید کا مضمون ہے اور عدم کمال لطافت کے شائبہ کی خبر دیتا ہے۔ جبکہ رسول اللہ کا لطافت کی وجہ سے سایہ نہ تھا تو خدا نے محمد کا سایہ کیوں ہوگا۔ خارج میں موجود بالذات اور بالاستقلال صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور یا پھر اللہ تعالیٰ کی صفات ثنائیہ حقیقیہ اور ان کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور ممکن اور مخلوق اور حادث ہے اور کوئی مخلوق اپنے خالق کا نقل نہیں ہے اور مخلوقیت کے سوا خالق سے کوئی نسبت سوائے اس نسبت کے جس کو شرع نے ثابت کیا ہو نہیں سکتا۔ یہ عالم کی ظہیر کا علم سالک کو راہ میں بہت کام دیتا ہے اور اسے کشاکش شای اصل تک لے جاتا ہے اور جب کمال غایت سے منازل طے کر کے اصل تک پہنچتا ہے تو محض خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ ایسا پاتا ہے کہ اصل بھی نقل کا حکم رکھتا ہے اور یہ مطلقیت کے لائق نہیں ہے کیونکہ امکان کے داغ سے واقف رہے اور مطلوب ادنا کے احاطہ اور وصل و اتصال سے ماورا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی خباب سے رحمت غایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔

فصل۔ فضائل کمالات دستگاہ مولانا حسن کشمیری دہلوی نے اللہ تعالیٰ ان کے احوال کو

اتھا گئے اور ان کی آرزوئیں برائیں ایک خط لکھ کر فقیر کو بھیجا تھا اور اس میں چند ایک سوالات درج کر کے ان کے حل کا مطالبہ کیا تھا اور چونکہ ان کا حل بعض اصرار کے اظہار کا مستحق تھا اور کچھ اور بھی رکاوٹیں تھیں۔ فقیر ان کے جواب میں جرات نہیں کرتا تھا اور حیل بہانہ سے وقت گزار رہا تھا۔ چونکہ مشاغلہ کا اس فقیر پر بہت بڑا حق ہے کہ انہی کی اچھی رہنمائی سے میں حضور ولایت پناہ ہادی راہ اندراج نہایت فی البدیہہ کی ولایت سے مشرف ہوا ہوں اور اس راہ کی الف، با کا سبق بھی انہی سے لیا ہے اور ان کی خدمت میں یہ اعزاز برکات و فیوض کا استفا دہ بھی کیا تو مجبوراً بعض سوالات کا حل جبکہ اس رسالہ کے علوم سے مناسبت رکھتے ہیں اس رسالہ کے ذیل میں ان کو درج کر دیا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی بھلائی کی راہ کی ہدایت دینے والے ہیں۔

آپ نے پوچھا تھا کہ کمالات صوری و معنوی اور ظاہری اور باطنی اور علمی اور عملی اور فیزی اور اخروی جو کچھ بھی نوع بشر میں ممکن ہے وہ حضرت خیر البشر علیہ علی السلام کی وہم اکملہ کو بالفعل حاصل اور ممکن ہیں جیسا کہ حدیث نفیس **اَنَا سَيِّدٌ وَلَدِ اَدَمَ وَلَا فَخْرَ** (میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں اور میں فخر نہیں کرتا) اور **اَدَمُ وَمَنْ دُونَهُ تَحْتَ رِجْلِي** (آدم اور ان سے نیچے تمام نبی قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے) اور **فَعَلِمْتُ عَلَمَ الْاَوَّلِينَ وَالْاٰخِرِينَ** (میں نے پہلے اور پچھلے کا علم معلوم کر لیا) اور ان جیسی اور بھی احادیث سے مفہوم ہوتا ہے اور جو کسی چیز سے مشروط یا کسی وقت پر موقوف ہو گا وہ بھی اپنے وقت پر با حسن وجہ جلوہ دکھائے گا پس اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن جو دوام اور کثرت سے موصوف و معصوف ہے کیوں ہے؟ اور اس کا سبب کیا ہے؟ کیونکہ حزن و اندوہ کا سبب کسی چیز کا فقدان ہوتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔

میرے مقدمہ! حزن کا استبعاد اور حضرت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمال کا فقدان جب جاہ و جلال محمدی پر نظر کی جائے اور خداوندی عنایات کو دیکھا جائے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن پر ہیں تو مسلم اور مستحسن ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت اور عبدیت اور عجز اور بشریت کو دیکھا جائے اور اللہ تعالیٰ کے ذاتی استغناء اور کبر پائی اور عظمت و جلال و عزت کو ملاحظہ کیا جائے تو حزن کا حصول اور اللہ تعالیٰ کے بے نہایت کمالات میں سے کسی کمال کا فقدان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی مستحبہ نہیں ہے بلکہ بندگی کے حال کے لائق ہے آیت **وَلَا يَخْضَوْنَ فِيْهِ عِلْمًا وَّهٗ** اس کے علم میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے) اور آیت **لَا تُذَكِّرُكَ الْاَبْعَادُ** (آنکھیں اس کا دوراں نہیں کر سکتیں) یہ دونوں اس معنی پر گواہ عدل ہیں اور ہر ایک کے متعلق فقدان کا اثبات کرتی ہیں۔ ہاں ممکن اگرچہ کہتے ہی ہند

مراتب تک پہنچ جائے واجب کی حقیقت کو کیا معلوم کر سکتا ہے اور عادت قدیم سے کیا لے سکتا ہے اور قنایہ غیر قنایہ کا احاطہ کیسے کر سکتا ہے اور وہ جو آپ نے لکھا ہے کہ ہر کمال جزو بشر میں ممکن ہے وہ حضرت خاتیت میں بالفعل حاصل ہے علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہاں فضل کئی اور ہر ایک پر فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے لیکن وہ کمال جزو فی فضیلت رکھتا ہو وہ جائز ہے کہ بعض انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علی نبیائہم السلام والصلوات والتسلیمات سے مخصوص ہو اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل کئی میں کوئی تصور پیدا نہیں کرتا۔

صحیح احادیث میں آیا ہے کہ امتیاز کے بعض کمالات ایسے ہوتے ہیں جن پر انبیاء علیہم السلام والصلوات بھی رشک کرتے ہیں حالانکہ امتیاز کے تمام افراد پر انبیاء علیہم السلام کو کئی فضیلت حاصل ہے اور یہ بھی احادیث میں آیا ہے کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے چند چیزوں سے انبیاء پر بھی فضیلت رکھتے ہیں شہداء کو غسل کی حاجت نہیں ہے اور انبیاء کو غسل دینا چاہیے اور شہداء پر نماز جنازہ نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور انبیاء پر نماز جنازہ پڑھنا چاہیے اور قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ شہداء کو مڑے نہ سمجھو کہ وہ زندہ ہیں اور انبیاء کو مڑے فرمایا ہے یہ تمام فضائل جزئیہ میں انبیاء کی کئی فضیلت میں یہ کوئی تصور پیدا نہیں کرتے۔

پس ہو سکتا ہے کہ ان فضائل جزئیہ میں سے بعض کا فقدان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حزن و اندوہ کا سبب ہو کہ وہ ان فضائل تک پہنچنے اور استعداد کے حاصل ہونے کا سبب بن جائے مثلاً نبوت کے ساتھ شہادت کا درجہ بھی جمع ہو جائے اور اگر ہم تسلیم کریں کہ تمام انسانی افراد کے تمام کمالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بالفعل موجود ہیں تو یہی کہتا ہوں کہ چونکہ آنحضرت کی بہت بلند واقع ہوئی ہے علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام لہذا ان کمالات پر اکتفا نہیں کرتے اور کل من سؤید (کیا کچھ اور بھی ہے) کہتے ہوئے بلندی کا شوق فرماتے ہیں اور چونکہ اوپر کے کمالات کا حصول امکان بشری سے خارج ہے تو لازماً آپ ہر وقت اندوگین اور حزن رہتے۔

اس بحث کی تحقیق یہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال کو خوب جانیں کہ طریقت و حقیقت اور قرب اور معرفت میں تمام کام کا دار مدار فنا اور صفات بشری اور احکام امکان کے زوال پر ہے۔

یہی کس رات تازہ گوداد فنا نیست راہ در بارگاہ کبریا

جس قدر بھی بشریت کے وجوہات باقی ہیں اسی قدر اس راہ کے حجاب بھی موجود ہیں اور کئی طور پر

بشریت کی صفات کا ارتفاع تمام افراد انسانی میں ممکن نہیں ہے کیا خواص اور اخص خواص۔ شیخ عطار فرماتے ہیں :-

نمی بینی کہ شاہ ہے چوں پیمبر نیافت او فقر کل تو رنج کم بُر
اور فقر مکی سے مکی طور پر امکانی اور بشری صفات کا زوال مراد لیا ہے کہ اس کا حصول متصور نہیں ہے کیونکہ وہ حقائق کے منقلب ہونے کو مستلزم ہے کیونکہ ممکن اگر ترقی کر کے اپنے امکان سے علیحدہ ہو جائے تو یقیناً وہ واجب ہو جائے گا اور یہ عقلی اور شرعی محال ہے۔ اور وہ جو کسی بزرگ نے کہا ہے :
چوں ممکن گرد امکان بر نشاند بجز واجب درو چیزے نہ ماند

یہ تشبیہ اور تمثیل پر محمول ہے تقریباً اور تحقیق پر محمول نہیں ہے کہ وہ غیر واقع ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں :-
سحابہ رودی نہ ممکن درو عالم جدا ہرگز نہ مشدوا لند العلم
سوال :- امکان کے آثار و احکام کا بقا مقام ثاب قوسین میں ظاہر ہے کہ قوس امکان و قوس وجوب اس جگہ برابر ہے لیکن مقام اذ ادنیٰ جو کہ اصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے امکان کے احکام کا بقا کیا معنی رکھتا ہے ؟

جواب :- وجوب اور امکان میں مابہ الامتیاز چیز عدم ہے جو کہ امکان کی ایک طرف ہے کیونکہ امکان کی دوسری طرف وجود ہے جو قدر مشترک ہے۔ درمیان وجوب اور امکان کے اور مقام اذ ادنیٰ میں اس عدم کے احکام زوال پذیر ہو جاتے ہیں اور قوسین کا امتیاز رفع ہو جاتا ہے نہ کہ امکان بالکل مرتفع ہو جاتا ہے اور وجوب سے بدل جاتا ہے کہ وہ محال ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ البتہ اس قدر ضرور ہے کہ مقام ثاب قوسین میں ظلماتی محبات سے باہر نہیں آتا ہے کہ وہ عدم کے آثار ہیں اور مقام اذ ادنیٰ میں اگر حجاب ہیں تو نورانی ہیں اور وہ وجود امکانی کی راہ سے آتے ہیں اور اسی توجہ پر اس بزرگ کے بیت کے معنی کو محمول کیا جاسکتا ہے جو کہ اوپر گزرا اور امکان کی گرد حجاب نے کما مطلب عدم کے احکام کا زوال ہے جو کہ سرسری درت ہے۔

سوال :- جب امکان کے عدم کی طرف نائل ہوئی اور وہ مابہ الامتیاز جو کہ امکان اور وجوب کے درمیان تھا اٹھ گیا اور وجود کے سوا جو کہ امکان کی دوسری طرف تھا اور وجوب اور امکان میں قدر مشترک ہے

نہ کیا تو نہیں دیکھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکی فقر کیا لہذا تو رنج کم اٹھا ۱۲

کے جب ممکن امکان کی گرد حجاب دیتا ہے تو وجوب کے سوا کوئی چیز اس میں باقی نہیں رہتی۔ ۱۲

تو ممکن سے دونوں جانبوں میں سیاہی ہرگز دور نہیں ہو سکتی اور اللہ ہی غیب جانے

اس جگہ نہ رہا تو درست ہوا کہ اسکان اپنی حقیقت سے الگ ہو کر وجوب کے ساتھ ملحق ہو گیا جو کہ وجود صرف ہے اور حقیقت میں تبدیل ہونا لازم آیا تو اس بزرگ کے بیت کا معنی جو کہ ذکر ہو چکا ہے کہ اُس میں واجب کے سوا کوئی چیز نہیں رہتی ! حقیقت پر محمول ہوا۔

جواب :- یہ وجود جو ممکن کی طرف میں ثابت ہے اس وجود کا ظل ہے جو کہ وجوب میں ثابت ہے نہ کہ اس وجود کا عین اور یہ وجوب جو طرف عدم کے زوال سے ممکن میں پیدا ہوا ہے وجوب باغیر ہے جو کہ ممکن کی ایک قسم ہے نہ کہ وجوب بالذات تاکہ حقیقت کا منتقل ہونا لازم آئے کیونکہ اس عدم کا ارتقاع ذات ممکن کی طرف سے نہیں آیا ہے کہ واجب بالذات ہو جائے اور محال لازم آئے بلکہ ممکن میں اس عدم کا ارتقاع حضرت واجب الوجود کے غلبہ کی وجہ سے ہے اور یہ ممکن کی ذات پر حضرت واجب الوجود کی حکومت ہے اور وجوب سے جو کہ مصرعہ سابق میں واقع ہوا ہے متبادر فی الذہن وجوب ذاتی ہے نہ کہ وجوب باغیر اور وجود کو وجوب و امکان کے درمیان قدر مشترک کہنا اشتراک لفظی کے قبیل سے ہے نہ کہ مندرجہ اگرچہ اس کو کئی مشکوک کہتے ہیں کیونکہ ممکن کے وجود کو واجب تھانے کے وجود سے حقیقت میں کوئی شرکت نہیں ہے تاکہ کلیتہً اور جزئیہً کا تصور کیا جاسکے۔

سوال :- فنا و بقا جو مفود علیہ نے کہا ہے اور ولایت کو اس سے عبارت سمجھا ہے اس کا کیا معنی ہے جب صفات بشریت کا ارتقاع متصور نہیں ہے تو فنا کی کیا گنجائش ہے ؟

جواب :- وہ فنا جو ولایت میں مقبر ہے وہ شعور اور شعور کے اعتبار سے ہے جو کہ ماسوائے حق کے نسیان سے عبارت ہے نہ کہ ماسوائے کا ارتقاع ۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس فنا والا غلبہ شکر میں اشیاء کے عدم شعور کو عدم اشیاء سمجھتا ہے اور اس کو ماسوائے کا ارتقاع جانتا ہے اور اس سے تسلی پاتا ہے اور اگر محض فضل سے اس کو تسلی دے کہ دولت صحو سے مشرف کریں اور صاحب تمیز بنادیں تو جان لیتا ہے کہ وہ فنا اشیاء کا نسیان تھا نہ کہ اشیاء کا اعدام، اور اس نسیان سے اگر زائل ہوا ہے تو اشیاء کی گرفتاری ہے جو کہ ثابت اور مذموم ہے نہ نفس اشیاء کہ اشیاء اپنی صرافت پر قائم و ثابت اس اور اس کے اعدام اور قحی سے ان کی نفی نہیں ہو سکتی ہے ۔

اشیاء ہی از جہشی کے رد کہ خود رنگ است

اور جب فضل و کرم سے یہ دید اور یہ تمیز عطا ہوئی تو وہ تسلی زائل ہوئی اور اس کی جگہ حزن و اندوہ و بے آرامی بیٹھ گئی اور اس کو معلوم ہو گیا کہ اس کا "ہونا" ایک ایسا مرض ہے جو اس کی کوشش اور

اہتمام سے ناممکن نہیں ہو سکتا اور یافت (پالینا) جو کہ مور کے دو پاؤں کی طرح ہمیشہ ان کے لئے جا بجا رہا ہے اسکان کا نقص اور حدوث کا تصور ہے جو ہمیشہ اس کے لئے جا بجا رہتا ہے عجب معاملہ ہے کہ عارف جتنا بھی اور پرچلا جاتا ہے اور زیادہ ترقیات و عروج حاصل کرتا ہے اتنا ہی نقص کا دیدار اس میں زیادہ ہوتا جاتا ہے اور تصور زیادہ اس کی نظر میں آتا ہے اور بے آگاہ اور بے قرار کر دیتا ہے اور وہی رسی جتنے والے کے شاگرد کا قصہ ہے جو اس نے تعجب سے اپنے استاد سے کہا تھا کہ ”میں جتنا بھی کام زیادہ کرتا ہوں اتنا ہی دور ہوتا جاتا ہوں“ شاید یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے کاش رب محمدؐ کو پیدا نہ کرتا“ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ”جتنی مجھے ایذا دی گئی ہے اتنی کسی نبی کو ایذا نہیں دی گئی“

شاید اس ایذا سے مراد یہی نقص اور تصور کا دیکھنا ہو جو کہ کمال حزن و اندوہ کا سبب ہے کیونکہ دُوری ایذا میں دوسرے انبیاء میں بھی با سکتی ہیں کہ زیادہ قصیں علی نبینا علیہم الصلاۃ والسلام حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نو سو پچاس سال اپنی قوم میں رہے اور اُن کو دعوت دیتے رہے اور طرح طرح کی ایذا میں برداشت کرتے رہے کہ ان کی قوم دعوت کے وقت ان پر اس قدر پتھر برسائی کہ وہ پتھروں کی بتات کی وجہ سے بے ہوش ہو کر لوٹنے لگتے اور گر پڑتے اور پتھروں کے ٹپنے دب جاتے اور پھر جب اپنی حالت میں آتے تو ان کو دعوت شروع کر دیتے اور قوم پھر ان کے ساتھ وہی معاملہ کرتی یہاں تک کہ خدا کی تحریر اپنے وقت کو پہنچی۔

جاننا چاہیے کہ یہ نقص و تصور کا دیکھنا دُوری کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ قرب اور حضوری کی وجہ سے ہے کیونکہ روشن اور صاف مقام میں تصویری سے کدورت بھی زیادہ نظر آتی ہے اور تاریک اور کدورت جگہ میں بُت سی کدورت بھی تصویری معلوم ہوتی ہے اور وہ جو پہلے کہا جا چکا ہے کہ معرفت اور قرب کے کام کا دار و مدار فنا پر ہے کیونکہ جب تک سالک اپنے آپ سے خالی نہ ہو اور پوری طرح اپنی صفات بشریت و امکان سے باہر نہ جائے اپنے مطلوب تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ ان کا مطلوب کے ساتھ جمع ہونا دو یقین کے جمع ہونے کی جنس سے ہے کیونکہ امکان میں ثبوت عدم ضروری ہے اور وجوب میں سلب عدم ضروری ہے اور جب تک مطلوب تک نہ پہنچے مطلوب کے کمالات کو کیا پائے اور اس کے کمال کو اپنے کمال کے مماثل کے سوا کیا ادراک کرے کیونکہ کسی چیز کا ادراک اس کی ضد اور اس کے غیر سے نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ارہاب معقول کا مقررہ قافیہ ہے۔

وہ پتھر جو چارہ کی لذت کو نہیں پہنچا ہے اگر اس جماع کا کمال بیان کرے گا تو اُسے میٹھا کہے گا نہ کہ تلخ۔ اور پھر اس کی شحاس کو کھانہ کی شحاس کی طرح جانے گا کہ اس کے ویدان میں اس کے علاوہ اور کچھ

نہیں ہے اور یہ کمال اس جماع کا کمال نہیں ہے بلکہ ایسا کمال ہے جو بچے کی اختراع ہے جو کہ حقیقت میں اس کی طرف راجع ہے نہ اس جماع کی طرف۔ پس جو کچھ مطلوب ہے بغیر اعلام کے اپنی طرف سے کہ کا وہ اس کا اپنا کما ہوگا اور جو کچھ اس کی تعریف کرے گا وہ اس کی اپنی تعریف ہوگی اسی لئے ایک عارف نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ **وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَنْتَبِھُ** (اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تعریف نہ بیان کرتی ہو) میں **حَمْدُہ** کی ضمیر شے کی طرف راجع ہے مینی کوئی چیز تسبیح و تقدیس و تعریف نہیں کرتی مگر اپنی ہی وجہ ہے کہ بطلانی نے کہا **سُبْحَانِی** (میں پاک ہوں) تسبیح کو اپنی طرف ٹوٹانے کے لئے کیا خوب کہا ہے۔

(۱) اے شہد ہم درجہ الٰہی خورشیدین
مے پرستی ہم خیال خورشیدین

(۲) قسم قطارِ ذالِ جمالِ ذالِ کمال
بست گر ہم نہی مشتِ خیالی

(۳) گر ز مشقِ خیالِ در سرست
نیست مشرقِ آلِ خیالِ دیگرست

صاحبِ فصوص فرماتے ہیں کہ قطعی ذات صرف قطعی لہ کی صورت میں ہوتی ہے پس قطعی لہ حق کے آئینہ میں اپنی صورت کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا۔ اس نے خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ممکن ہے کہ اس کو دیکھ سکے۔ عدم امکانِ رویت تو سالنہ کے طور پر کہا ہے ذکر حقیقی طور پر کیونکہ رویت دینا میں عاجز ہے اور آخرت میں واقع ہے جب سالک کی پوری فنا متعین ہوئی اور مطلوب سے اتصال و وصول اس کے بغیر مندرج ہوا اور بغیر وصول کے معرفت کی کوئی صورت نہیں تو لازماً معرفت سے محجوز لازم آیا اور معرفت سے محجوز مین معرفت ہوئی یہ نہ کہا جائے کہ معرفت سے محجوز معرفت کیونکہ ہوا جو کہ اس کا نقیض ہے کیونکہ معرفت سے محجوز اس معرفت سے عبارت ہے کہ ”وہ پہچانا نہیں جاسکتا۔“

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا ”ادراک کو پا لینے سے عاجز آنا اداک ہے پس پاک ہے وہ اللہ جن نے خلقت کے لئے اپنی طرف کوئی راہ نہیں بنائی سوائے اس کے کہ اس کی معرفت سے عاجز آجائے۔“ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

سبحانِ خالقِ کرم فاضلِ زکریا
بر خاکِ عجزِ مے گند مقلِ انبیاء

جبکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام صفاتِ کبریا کی معرفت میں عاجز آجائیں اور ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کہیں کہ ہم نے تجھے جیسے پہچاننے کا حق تھا نہیں پہچانا۔ اور صدیق اکبر جو کہ اس خیر الائم کے

لے (۱) اے وہ کراہے ہمال میں کہے تو اپنے خیال ہی کی پرستش کرتا ہے (۲) اس جمال و کمال سے مخلوق کی قیمت اگر تو غور کرے تو خیالات کی ایک پشت ہے (۳) اگر مشرق کا خیال تیرے سر میں ہے تو وہ مشرق نہیں ہے بلکہ کوئی اور خیال ہے۔ ۱۲۔

لے پاک ہے وہ خالق کہ جسکی صفات اپنی کبریا سے انبیاء کی عقل کو خاک پر ڈال دیتی ہیں۔ ۱۲۔

کے رئیس اور سردار ہیں وہ اپنی عاجزی کا اقرار کرنے میں تو دوسرا کون ہے جو معرفت سے دم مارے شاید کہ اپنے پہلے مرکب کو معرفت سمجھے اور غیر حق کو حق جانے اور یہ معرفت سے عجز و عوج کے مراتب کی نہایت کی نہایت ہے اور قُرب کے مدارج کی غایت کی انتہا ہے اور حجت تک وہ آخری نقطہ تک نہ پہنچے اور تعلیمات اور ظہورات کے مراتب طے مذکور سے اور وصل اور اتصال کو کہ کتنی ہی مدت اس کے ساتھ خوش رہا اس کو عین فصل و انفصال نہ پائے اس عجز کی دولت سے مشرف نہیں ہو سکے گا اور خدا ناشناسی سے آزاد نہیں ہو سکے گا۔ اور غیر حق کو حق جانے گا۔

سوال :- پس خدا تعالیٰ کی معرفت کے واجب ہونے کا کیا معنی ہے ؟

جواب :- وجوب معرفت اس معنی سے ہے کہ شریعت میں خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق جو کچھ وارد ہوا ہے اس کا پہچانا واجب ہے۔ اور ہر وہ معرفت جو شریعت کے علاوہ مستفاد ہو اس کو اس فقیر کے نزدیک خدا کی معرفت کہنا جرات ہے اور عن تحمیں سے خدا تعالیٰ پر حکم لگانا ہے۔ اَتَقْوُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے) شاید اسی لئے کہ سراج الامت اور امام اللامہ امام اعظم کو فی رضی اللہ عنہ نے یہ قول کہا ہوتا ہے کہ ہم نے تیری عبادت جس طرح تیرا حق تھا نہیں کی ہے لیکن جس طرح تیرے پہچاننے کا حق تھا ہم نے تجھے پہچان لیا ہے۔ اگرچہ یہ قول اکثر لوگوں پر گراں ہے لیکن معقول تو جبر کے قابل ہے کیونکہ حق معرفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان تمام چیزوں سے جن کو شریعت نے بیان کیا ہے یعنی کمالات و تنزیہات و تقدیسات وغیرہ سے پہچانا جائے۔ کہ ان سے باہر معرفت کی کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی۔ جو کہ حق معرفت کو ماننے ہو۔

سوال :- اس معرفت میں تو علوم و خواص شرکت رکھتے ہیں بلکہ مساوات رکھتے ہیں اور لازم آتا ہے کہ عام مومنوں کی معرفت خواص انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی معرفت کی طرح ہو کہ سب کو حق معرفت حاصل ہے اور یہ سب اسی طرح کا ہے کہ حضرت امام اعظم نے فرمایا ہے اَلَا یَسْأَلُ لَا یَسْأَلُ وَلَا یَنْقُصُ (کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی) اور اس جگہ کہلے کہ اس عبادت سے لازم آتا ہے کہ عام مومنوں کا ایمان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے ایمان کی طرح ہو۔

جواب :- اس قریٰ شبہ کا حل ایک دقیقہ پر مبنی ہے کہ اس فقیر کو محض اپنے فضل سے اس کی راہنمائی کی گئی ہے اور وہ باریک نگاہ ہے کہ حق معرفت یہ ہے کہ ان مدارج و مراتب سے عارف کو معرفت سے عجز و عوج ہو مثلاً شریعت میں اللہ تعالیٰ کے لئے صفت علم کا اثبات کیا گیا ہے اور وہ علم اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح بے چون و بے چگون ہے اور ہمارے ادراک کے احاطہ سے باہر ہے۔ اگر اس علم کو اپنے علم پر

قیاس کر کے پہچانا جائے تو نہیں پہچانا جائے گا بلکہ اس جگہ شناخت اپنی اختراع کی ہوگی نہ کہ اللہ تعالیٰ کے علم کی معرفت جو کہ اللہ تعالیٰ کے کمال کی صفت ہے۔

پس اس صورت میں سرے سے معرفت ہی نہیں ہے حق معرفت کیا ہوگا اور اگر اس کا معاملہ ایمان اور تمکین سے نکل کر عجز میں آجائے اور وجدان اور حال سے پائے کہ اس کو نہیں پہچانا جاسکتا اور جان کے کہ اس سے حقہ سوائے ایمان لانے کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کمال کی صفت ہے اس وقت معرفت بھی حاصل ہوگی اور حق معرفت بھی پس حقیقت میں اصل معرفت یہی حق معرفت ہوا اور جو حق معرفت نہیں ہے وہ اصل معرفت بھی نہیں ہے پس علوم کو حق معرفت میں خواص سے شرکت نہ ہوئی۔ مساوات کی کیا غنائش ہے؟

سوال :- جب حق معرفت نفس معرفت ہوا تو چاہیے کہ علوم کو نفس معرفت بھی نہ ہو کیوں کہ ان کو حق معرفت بھی نہیں ہے؟

جواب :- معرفت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ وہ معرفت جو میں حق معرفت ہے وہ حقیقت معرفت ہے جو کہ معرفت سے عجز کے ساتھ مربوط ہے اور اس کی صورت وہ ہے جو کہ اس عجز کی حد تک نہ پہنچے اور امکان کی صفات کے قیاس کرنے کے شائبہ سے آزاد نہ ہو جیسا کہ گذرا۔ یہ کمال درجہ کی مہربانی ہے کہ صورت معرفت کو بھی نفس ایمان کی طرح معتبر سمجھا جائے اور نہایت کو اس کے ساتھ مربوط کیا ہے جیسا کہ صورت ایمان کو بھی معتبر سمجھا ہے اور عبت کا داخلہ اس پر مرتب کیا ہے۔ صورت ایمان میں صورت معرفت کافی ہے اور حقیقت ایمان میں حقیقت معرفت سے چارہ نہیں ہے۔

پس اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بھی دو فرد ہیں صورت اور حقیقت اور وہ جو عوام کا حصہ ہے وہ صورت ہے اور وہ جو خواص کو عطا ہوا ہے وہ حقیقت ہے پس عوام کا ایمان انبیاء کے ایمان کی طرح نہ ہوا جو کہ اخص خواص میں علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات۔ کیونکہ وہ ایمان اور ہے اور یہ ایمان اور ہے اور یہ آپس میں کوئی مماثلت نہیں رکھتے۔

اور ایمان کی حقیقت میں چونکہ عجز معرفت سے مأخوذ ہے اور معرفت یہ کہ ”وہ پہچانا نہیں جاتا“ موجود ہے تو لازماً اس جگہ زیادتی اور نقصان مفقود ہوگا کیونکہ سلب معرفت میں درجات کا تفاوت نہیں ہے اور ثبوت ہے کہ اس جگہ درجات میں تفاوت ہے پس ایمان کی حقیقت میں زیادتی اور نقصان کا احتمال نہ ہوگا اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی حقیقت حال کو خوب جانتے ہیں۔

سوال :- اس تقریر سے لازم آیا کہ صوفیہ علیہ کے کشفی علوم و معارف انبار کے مقام سے ساقط

میں اور اللہ تعالیٰ کی معرفت ان کے ساتھ کچھ بھی وابستہ نہیں ہے کہ حق معرفت شرعی علوم و معارف سے حاصل ہوا اور وہ معرفت نہ رہی جس کو صوفیہ کسب سے تلاش کرتے ہیں پس صوفیہ کو علمائے اللہ تعالیٰ کی معرفت میں کچھ بھی بزرگی ثابت نہ ہوئی۔

جواب ہے :- صوفیہ کے کشفی علوم و معارف اس عجز کے لئے اسباب ہیں جو کہ ان کے منتہی لوگوں کو آخر میں میسر ہوتا ہے اور یہ بزرگوار اس کشفی معارف کے زمین سے اس عجز کی دولت سے مشرب ہو جاتے ہیں پس ان بزرگواروں کے معارف معتبر ہوں گے کہ حق معرفت کے حصول کا وسیلہ ہیں اور حقیقی کے وصول کا ذریعہ ہیں۔

سوال :- جب معرفت سے مجز ثابت ہوا اور کمال عجز میں منحصر ہوا پس صوفیہ علیہ نے جو تین مراتب اعتبار کئے ہیں ان کا کیا معنی ہے اور علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین سے کیا مراد ہے؟
جواب ہے :- اس فقیر کو اس مسئلہ میں قوم سے اختلاف ہے ان بزرگواروں نے ان مراتب سرگازہ کو خدا تعالیٰ کی ذات کی نسبت سے اعتبار کیا ہے اور علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین اللہ تعالیٰ کی ذات میں ثابت کئے ہیں اور مثال جو لائے ہیں کہ آتش کے علم کو جو دھوئیں کے استدلال سے حاصل ہوا آتش کے متعلق علم الیقین کہتے ہیں اور آتش کو دیکھنا عین الیقین تصور کرتے ہیں اور آتش سے متصف ہونا حق الیقین۔ اور یہ فقیر ان مراتب سرگازہ کو ان نشانیوں میں جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرنے والی ہیں منحصر سمجھتا ہے اور علم اور عین اور حق یہ تینوں دلائل کرنے والوں کے مراتب قرار دیتا ہے نہ کہ درجوں کے وہ علم اور عین اور حق سب سے بلند ہے اور علم اور عین اور حق تیشیل میں دھوئیں کے متعلق جانتا ہے نہ کہ آتش کی نسبت کیونکہ اگر دھوئیں کا علم استدلال سے حاصل ہوتا ہے تو دھوئیں کی نسبت علم الیقین ہے جو کہ آتش کو مستلزم ہے اور اگر دھوئیں کو دیکھا ہے اور اس جگہ سے آتش کے وجود کا استدلال کیا ہے تو دھوئیں کی نسبت سے عین الیقین ہے اور اگر دھوئیں سے متصف ہوا ہے اور اس جگہ سے آتش کے وجود کا استدلال کیا ہے تو دھوئیں کی نسبت سے حق الیقین ہے اور یہ استدلال پہلے استدلال کی نسبت زیادہ پورا ہے کہ وہ استدلال آفاق سے ہے اور یہ استدلال انفس سے کہ دھوئیں سے متصف ہوا ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ عین الیقین میں دھواں ایک واسطہ ہے اور حق الیقین میں واسطہ نہیں ہے بلکہ وہی نسبت جو دھوئیں کو آتش سے ثابت ہے اس کو بھی وہی نسبت حاصل ہوتی ہے اور قرب کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ جاتا ہے جو علم اور یقین اور حق سے ماورائے ہے۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ جب واسطہ اٹھ گیا تو

رویت ثابت ہوگئی کہ عین یقین، کیز کو کم کتے ہیں کہ واسطہ کا اٹھ ہانا رویت کے ثبوت میں کفایت نہیں کرتا کچھ اور چیزیں چاہئیں کہ جن کا وجود مفقود ہے اور جب یقین کے تمام مراتب نشانات کی طرف راجع ہوئے اور کوئی معرفت نہ رہی جو مدلول کی طرف راجع ہو تو لازماً مدلول کی معرفت میں عجز لازم آیا اور سلب معرفت کے علاوہ کوئی معرفت اس جگہ ثابت نہ ہوئی اور اگر یقین کے ان مراتب سرگاہ نہ کو آیات کی طرف راجع نہ کیا جائے بلکہ مدلول کی طرف راجع ہوں تو معرفت سے عجز کی کیا صورت ہوگی اور سلب معرفت کے کیا معنی ہوں گے۔

مکتوب نمبر ۱۲۳

(نور محمد شہادی کی طرف صادر فرمایا)

(اس بیان میں کہ جہ راہ اللہ تعلق کی طرف پہچانے والے ہیں وہ وہ ہیں)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى۔ وہ راہ جہ راہ اللہ تعلق کی طرف پہچانے والے ہیں وہ ہیں ایک وہ راہ ہے جو قرب نبوت سے تعلق رکھتی ہے علی ارباب الصلوٰۃ والسلام اور اصل الاصل تک پہچانے والی ہے اس راہ سے حاصل ہونے والے اصل میں تو انبیاء عظیم الصلوٰۃ والتسلیمات ہیں اور ان کے صحابہ اور باقی امتوں میں سے جس کو بھی اس دولت سے نوازی اگرچہ وہ تھوڑے ہوتے ہیں بلکہ بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں اور اس راہ میں توسط و حیلوت نہیں ہے جو بھی ان داصلین میں سے فیض حاصل کرتا ہے وہ بغیر کسی کے وسیلے کے اصل سے حاصل کرتا ہے اور کوئی بھی دوسرے کی راہ میں حائل نہیں ہوتا۔

اور ایک وہ راہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اقطاب داؤد اور بدلا اور نجباء اور علم اولیاء اللہ اسی راہ سے حاصل ہیں اور راہ سلوک اسی راہ سے عبارت ہے بلکہ متعارف جذبہ بھی اسی میں داخل ہے اور اس راہ میں توسط اور حیلوت ثابت ہے اور اس راہ کے داصلین کے پیشوا اور ان کے سردار اور ان کے بزرگواروں کے بیخ فیض حضرت علی المرتضیٰ ہیں کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان منصب ان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس راہ میں گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدم مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مبارک سر پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر انجمنِ جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے لمبا و ماویٰ تھے جیسا کہ آپ جسدی پیدائش کے بعد میں اور جس کو بھی فیضِ ہدایت اس راہ سے پہنچی کہ ان کے فیض سے پہنچی کیونکہ اس راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز ان سے تعلق رکھتا ہے اور جب حضرت امیر کا مدد ختم ہوا تو عظیم القدر منصب ترتیب وار حضرات حسین کو سپرد ہوا اور ان کے بعد وہی منصب افراتنا عشرین سے ہر ایک کے ترتیب وار اور تفصیل سے مقرر ہوا اور ان بزرگوں اور ان کے زمانہ میں اور اسی طرح ان کے انتقال کے بعد جس کو بھی فیض اور ہدایت پہنچتا ہے ان بزرگوں کے ذریعہ اور حیل و تہ سے پہنچا ہے اگرچہ اقطاب و نجباء وقت ہی کیوں نہ ہوں اور سب کے لمبا و ماویٰ یہی بزرگ ہیں کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ الحاق کرنے سے چارہ نہیں ہے۔

یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تک پہنچی اور جب اس بزرگوار تک نوبت پہنچی تو منصب مذکور آپ کے سپرد ہوا اور ائمہ مذکورین اور حضرت شیخ کے درمیان کوئی بھی اس مرکز پر مشہود نہیں ہوتا اور اس راہ میں فیوض و برکات کا وصول جس کو بھی ہر خواہ وہ اقطاب و نجباء ہوں آپ کے واسطے ہی سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز ان کے علاوہ اور کسی کو میسر نہیں ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے ۵

أَفَلَتِ شُمُوسُ الْأَوَّلِينَ وَ شَمْسُنَا أَبَدًا عَلَى أُنْفِ الْعُلَى لَا تَغْرُبُ

شمس سے مراد فیضانِ ہدایت و ارشاد کا آفتاب ہے اور اس کے غروب ہونے کا مطلب فیضانِ مذکور کا عدم ہے اور جب حضرت شیخ کے وجود سے وہ معاملہ جو پہلے لوگوں سے تعلق رکھتا تھا مقرر ہوا اور وہ رشد و ہدایت کے وصول کا واسطہ ہوئے جیسا کہ ان سے پہلے پہلے لوگ تھے اور پھر یہ بھی ہے کہ جب تک فیض کے توسط کا معاملہ قائم ہے انہی کے وسیلہ سے ہے تو لازماً درست ہوا کہ أَفَلَتِ شُمُوسُ الْأَوَّلِينَ وَ شَمْسُنَا

سوال ۱:- یہ حکم مجدد الف ثانی سے ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ مجدد الف ثانی کے معنی کے بیان میں جلد ثانی کے ایک مکتوب میں درج ہوا ہے کہ جو کچھ بھی فیض کی قسم سے اس مدت میں امتوں کو پہنچتا ہے وہ اسی کے ذریعہ سے ہوتا ہے اگرچہ وہ اقطاب و ائمہ ہوں یا نجباء و بدلاء وقت ہوں۔

جواب ۱:- میں کہتا ہوں کہ مجدد الف ثانی اس مقام میں حضرت شیخ کے نائب ہیں اور حضرت شیخ کی نیابت ہی سے یہ معاملہ اس سے وابستہ ہے جیسا کہ کہا ہے لَوْ أَنَّ الْقَمَرِ مُسْتَفَادٌ مِّنْ نُورِ الشَّمْسِ - (چاند

مہلے پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے اور جہاں سورج ہمیشہ غروب ہونے کے بعد گاہ غروب نہ ہوگا ۱۶

کا نور سورج کے نور سے مستفاد ہے، تو اب کوئی استحالہ نہ رہا۔

سوال ۱۔ من کا مہنی جو اوپر نہ کور ہوا مشکل ہے کیونکہ اس مدت مذکورہ میں حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نزول فرمائیں گے اور حضرت مہدی علیہ الرضوان بھی ظاہر ہوں گے اور ان بزرگواروں کا معاملہ اس سے ٹیٹ ملنے ہے کہ وہ کسی کے ذریعہ سے فیض حاصل کریں۔

جواب ۱۔ میں کہتا ہوں کہ دورا ہوں میں سے دوسرے راہ میں توسط کا معاملہ پیش آتا ہے جو کہ قرب ولایت سے عبارت ہے اور پہلی راہ میں جو کہ قرب نبوت سے عبارت ہے توسط کا معاملہ منعقد ہے جو بھی اس راہ سے واصل ہوا ہے کوئی بھی اس میں حائل اور وسیلہ نہیں ہے وہ کسی کے وسیلہ کے بغیر فیوض و برکات حاصل کرتا ہے۔ توسط اور حیلوت صرف آخری راہ میں ہے اور اس مقام کا معاملہ علیحدہ ہے جیسا کہ گذر چکا اور حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان پہلی راہ سے واصل ہیں جیسا کہ حضرات شیخیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما پہلی راہ سے واصل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں ہیں اور وہ اپنے مختلف درجات میں اس جگہ ایک خاص شان رکھتے ہیں۔

تنبیہ ۱۔ جانا چاہیے کہ جائز ہے کہ کوئی شخص قرب ولایت کی راہ سے قرب نبوت تک پہنچے اور دونوں معاملات میں شریک ہو اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تسلیات کی طفیل اس کو اس جگہ بھی جگہ دیدیں اور کاد خانہ کو اس سے وابستہ کر دیں اور اس جگہ بھی معاملہ اس سے متعلق ہو۔

خاص کند: بندہ مصلحت عام را

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ جیسے فضل والا ہے سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلم علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین

مکتوب نمبر ۱۲۴

شیخ محمد عابد خاں بخاری کی طرف صادر فرمایا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰہِ۔ شیخ محمد طاہر بخاری نے استفسار کیا ہے کہ رسالہ مبدا و معاد میں لکھا ہے کہ ”جیسے صورت کعبہ صورت محمدی کی مسجود ہے اسی طرح حقیقت کعبہ بھی حقیقت محمدی کی مسجود ہے علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام“ اس عبارت سے حقیقت محمدی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام

سے وہ عام لوگوں کی مصلحت کے لئے کسی بندہ کو خاص کر دیتا ہے ۱۲

والسلام سے حقیقت کعبہ کی انصافیت لازم آتی ہے حالانکہ مقرر یہ ہے کہ عالم کی پیدائش سے مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضرت آدم اور تمام آدمی ان کے طفیل ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور نہ ربوبیت کو ظاہر کرتا۔

جاننا چاہیے کہ صورت کعبہ اینٹ اور پتھر سے عمارت نہیں ہے کیونکہ اگر بالفرض یہ اینٹ اور پتھر درمیان میں نہ ہوں تو بھی کعبہ کعبہ ہے اور خلائق کا مسجود ہے بلکہ صورت کعبہ باوجود اس کے کہ عالم خلق سے ہے لیکن دوسری اشیاء کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ ایک دستور امر ہے جو حس و خیال کے احاطہ سے باہر ہے وہ عالم محسوسات سے ہے اور کچھ بھی محسوس نہیں ہے اور تمام اشیاء کا مقرب الیہا ہے اور کوئی بھی توہم نہیں ہے۔ وہ ہستی ہے جس نے عیسیٰ کا لباس پہنا ہے اور عیسیٰ ہے جس نے ہستی کے لباس میں اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے وہ جہت میں بے جہت ہے اور سمت میں بے سمت ہے۔

مختصر یہ کہ یہ صورت حقیقت منہ ایک عجیب چیز ہے کہ عقل اس کی تشخیص میں عاجز ہے اور عقلاً اس کے تعین میں جبران ہیں گویا کہ وہ عالم بے چہرہ و بے چہرہ کا نمونہ ہے اور بے شبہی اور بے فونی کا نشان اہیں پوشیدہ ہے۔ ہاں اگر ایسا نہ ہوتا تو مسجودیت کے لائق نہ ہوتا اور بہترین موجودات علیہ و علی الصلوٰۃ والسلام شوق و آرزو سے اس کو اپنا قبلہ اختیار نہ فرماتے۔ فیہ آیات، بیتیات (اس میں کھلے کھلے نشان ہیں) اس کی شان میں نص قاطع ہے وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (اور جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہو گیا) اس کے حق میں قرآن مجید مدح کرنے والا ہے۔

وہ بیت اللہ ہی ہے کہ جس میں صاحب خانہ جل شانہ کی بے کیفیت بود و باش ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ۔ چگونہ محمول الکفایت نسبت و اتصال ہے وَفِيهِ الدُّنْيَا الْاٰخِرَةُ اور اللہ کے لئے عبادت گاہ ہے) عالم مجاز میں جو کہ حقیقت کا پُل ہے بیت (گھر) شبہ باشی کی خبر دیتا ہے جو کہ صاحب خانہ کے آرام اور قرار کی جگہ ہے اہل دولت کے لئے اگرچہ پیشتر نشست گاہ ہیں اور بیٹھے اٹھنے کے لئے ہیئت سے مقام ہیں لیکن گھر بچہ بھی گھر ہے جو کہ اغیار کی مزاحمت سے بیگانہ اور درست کے آرام کے لئے مکان اور جگہ ہے۔ اگرچہ حکم حدیث قدسی وَلَٰكِنْ يَسْعَيْنِي قَلْبِي عَبْدِي الْاٰمِنُ (لیکن اپنے مومن بندے کے دل میں ماسکتا ہوں) مومن بندے کا دل بے چہرہ ظہور کی گنجائش پیدا کرتا ہے لیکن گھر ہونے کی نسبت جو کہ بود و باش کی خبر دیتا ہے وہ کمال سے پیدا کرے۔ اور اغیار کی مزاحمت جو کہ گھر کے لوازمات سے ہے کمال سے لائے اور جب غیر اور غیرت کو اس مقام میں داخل نہ ہو گا تو لازماً وہ مخلوق کا سجدہ گاہ ہو گا کہ غیر کو سجدہ نہ ہو اور غیرت مسجودیت کی منافی ہوتی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سجدہ

تجوید نہ فرمایا اور بیت اللہ شریف کی جانب شوق اور رغبت سے سجدہ کرتے رہے فرق کا راز اس جگہ سے معلوم کرو کہ ساجد اور سجدہ میں کتنا بڑا فرق ہے۔

اے بھائی حب آپ نے کچھ صورت کعبہ کے متعلق معلوم کر لیا تو اب کچھ حقیقت کعبہ کے متعلق بھی سنا حقیقت کعبہ ذاتی بے چون و واجب الوجود سے عبارت ہے کہ ظہور اور طلب کی گرو بھی وہاں تک راہ نہیں پاسکتی اور وہ مسجدیت و معبودیت کے لائق ہے اس حقیقت کو اگر حقیقت محمدی کا مسجد کہیں تو اس میں کیا استحصال لازم آتا ہے اور آپ کی افضلیت میں کیا قصور واقع ہوتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ حقیقت محمدی عالم کے تمام افراد کے حقائق سے افضل ہے لیکن کعبہ عظمیٰ کی حقیقت عالم کی جنس سے نہیں ہے تاکہ اس کے ساتھ قیاسیت ظاہر کی جائے اور اس کی افضلیت میں توقف کیا جائے۔

تغیب ہے کہ ان دو صاحب دولت کی ساجدیت اور مسجدیت کی صورتوں کے فرق نے بھی ذہنوں مختلفہ کو ان کی حقیقت کے فرق کا سراغ نہ دیا کہ انہوں نے منہ پھیرنے کا مقام اختیار کیا اور طعن و تشنیع کی زبان کھولی حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ان کو انصاف عطا کریں کہ نہ سمجھتے ہوئے ملامت نہ کریں۔ اے ہمارے رب ہمارے گناہ اور ہمارے اپنے کام میں ہماری زیادتیاں معاف فرما اور ہمارے تمام ثابت رکھ اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد عطا فرما۔ والسلام علی من اتبع الهدی ۛ

تیسرا دفتر ختم ہوا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہاں کتاب ختم ہو گئی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 حَسْبُدُّهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

اخترتائیه

عرض مترجم غفرلہ

بلاشبہ اسلام کامل دین ہے جو انسان کی تمام دنیوی و اخروی سعادتوں کا کفیل ہے۔ لیکن ان سعادتوں سے انسان اسی وقت بہرہ ور ہو سکتا ہے جبکہ اس دین کو اپنا دستور حیات بنائے اور اس کے ظاہری و باطنی محاسن سے آراستہ ہو۔ کما حقہ یہ مقام تزکیہ نفس کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ تزکیہ نفس کیلئے تصوف و سلوک کی منازل طے کرنا شرط ہے۔ حدیث میں عبادت کے جس درجے کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اس تک پہنچنے کا ذریعہ ہی تصوف و سلوک ہے۔ نیک کام کی قبولیت، اس کے نتائج و ثمرات سے مستمتع و مستفید ہونے کا مدار صدقیت خلوص اور ثبوت پر ہے۔ اور اخلاص اور ثبوت کے تقاضوں کی تکمیل بدون تزکیہ نفس ناممکن ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم و فاضل، متفکر و ملامہ کیوں نہ ہو تزکیہ کے بغیر بشری و نفسانی رذائل و مجاہبات سے نجات نہیں پاسکتا۔

محققین صرفیائے کرام اور بزرگان دین نے اپنی تصانیف میں سلوک کے منازل و مقامات کی نہایت شرح و بسط سے نشاندہی کی ہے اور مرد و عورت و فقر و غنی اور صحیح و فاجر و سلوک کو اپری طرح متناظر کر دیا ہے انہی مدارک و عمدہ تصانیف میں سے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی سرہندی قدس سرہ کے مکتوبات ہیں۔ جن میں خاص اسلامی تصوف کی حقیقت و اہمیت اس کے مدارف و رموز اور اس کے فوائد و ثمرات پر نہایت

جائے انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور سلوک سے متعلق ہر طرح کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔ آپ کے مکتوبات قلبی و روحانی امراض کیلئے نسخہ مشفایں ہیں۔

اس دور الحاد میں خام صوفیوں اور جاہل پیروں نے فقر و سلوک کا علیہ جس بُری طرح بگاڑا ہے۔ اور فقر کے نام پر گمراہی و فطالت کا جو بازار گرم کر رکھا ہے۔ وہ ارباب فہم و دانش سے پوشیدہ نہیں۔ اس صورت حال نے فقیر کو اس امر پر آمادہ کیا کہ حضرت ام ربانی قدس سرہ کے مکتوبات قدسی آیات جبرئیل میں تھے، اردو زبان میں منتقل کئے جائیں۔ حسن اتفاق سے تائید ایزدی نے بہت جلد بایہ کی کہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی کے مالک جناب محترم الحاج حکیم محمد تقی صاحب دہلوی اشرفی دام فیضہ و نعم احسانہ و زید مجتہد لاہور تشریف لائے اور ترجمے کی فرمائش کی۔ فقیہ حکیم صاحب موصوف کے ارشاد کے مطابق ترجمے کا کام شروع کر دیا۔ جنوری ۱۹۷۷ء میں یہ مبارک کام شروع کیا اور جون ۱۹۷۷ء کے اواخر میں کم و بیش ساڑھے سولہ سو صفحات پر پھیلے ہوئے یہ ترجمہ مکمل ہوا۔ خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر جس نے اس نازک اور بیکمان سے عظیم کام پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

حکیم صاحب موصوف کی خواہش تھی کہ ترجمہ سال و بیڑہ سال کے اندر اندر مکمل ہو جائے مگر افسوس کہ مرض شوگر کے باعث مسلسل نقابت، دربار شریف میں افتاء کا کام، ملاقاتوں کا بوجھ، جامعہ حنفیہ غوثیہ حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے انتظام و اہتمام کی ذمہ داریاں، سنی تبلیغی جماعت پاکستان کی تبلیغی مصروفیات و گھریلو مشاغل وغیرہ کی بنا پر قبلہ حکیم صاحب موصوف کی خواہش پوری نہ کر سکا جس کے لئے فقیر قبلہ حکیم صاحب مدظلہ العالی اور مدینہ پبلشنگ کمپنی کے اراکین سے تہ دل سے معذرت خواہ ہے کہ انہیں انتظار کی شدید زحمت اٹھانا پڑی۔ تاہم اپنی جگہ مجبور تھا اور وہ اپنے مقام پر سچے تھے، بلکہ میں یہ عرض کر دوں گا کہ صحت کی ناسازی اور بے پناہ مصروفیات کے باوجود قریباً ساڑھے سولہ سو صفحات کا ترجمہ اڑھائی برس میں مکمل ہو گیا

تائید و توفیق ایزدی کا کرشمہ اور بزرگانِ دین کی نظر کرم کا نتیجہ ہے۔

آخر میں تمام اصحابِ علم و عرفان کی خدمت میں عرض ہے کہ ترجمے میں اگر خطا اور غلطی پائیں تو عفو و درگزر سے کام لیں اور بندہ کو آگاہ کریں کہ آئندہ اس کی صحت ہو سکے تمام پڑھنے اور فائدہ اٹھانے والوں سے استدعا ہے کہ اپنی دعاؤں میں اس عاصی کو یاد رکھیں۔ رب تعالیٰ کے حضور میں التجار اور دُعا ہے کہ اس حقیر کو کشش کو قبول کرے اور میرے لئے اسے ذلیلہ نجات اور ذوقِ آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین۔

بھمد اللہ کہ بر ر غم ز ممانہ بپایاں آبدایں و لکش فسانہ

ز دیوار فراغت یافت لپشتی براہِ نرمی افتاد از درشتی

سرم برداشت از زانو گرانی

سبک شد خاطر از بارِ نہانی

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و مولانا محمد
و علیٰ آلہ و اصحابہ و اہل بیتہ و جمیع امتہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

محمد سعید احمد نقشبندی غفر اللہ لہ

خطیبِ امام مسجد حضور رانا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور۔ پاکستان

۲۔ جولائی ۱۹۶۲ء

